ذکرِ حسین علیہ السلام
امام حسینؑ اور کربلا کے موضوع پر شاہکار کتاب
تحریر
حجۃ الاسلام علامہ حسن رضا غدیری

ذکرِ حسین علیہ السلام

امام حسینؑ اور کربلا کے موضوع پر شاہکار کتاب

تحریر

حجۃ الاسلام علامہ حسن رضا غدیری

ناشر ادارہ منہاج الصالحین لاہور

جناح ٹاؤن ٹھوکر نیاز بیگ، ملتان روڈ، لاہور، فون: 042-5425372

نام کتاب ...... ذکرِ حسینؑ

تحریر ...... علامہ حسن رضا غدیری

ترتیب ...... ڈاکٹر ایس ایف زیدی (انگلینڈ)

اہتمام ...... علامہ ریاض حسین جعفری (فاضل قم)

ایڈیشن ...... دوئم 2009

تعداد 1100

قیمت ...... [illegible]

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین لاہور

الحمد مارکیٹ۔ فرسٹ فلور۔ دکان نمبر ۲۰

اردو بازار ○ لاہور۔ 042-7225252

انتساب

حسینؑ کے چاہنے والوں کے نام

(حسن رضا غدیریؔ)

جن جرائد سے مقالات حاصل کئے گئے۔

- روزنامہ جنگ لاہور
- روزنامہ جنگ لندن
- روزنامہ مشرق لاہور
- روزنامہ نوائے وقت لاہور
- ہفت روزہ شہید لاہور
- ہفت روزہ الوفاق لاہور
- ہفت روزہ صادق لاہور
- ہفت روزہ رضاکار لاہور
- ہفت روزہ اسد لاہور
- ہفت روزہ کلمتہ الحق لاہور
- ماہنامہ الغدیر لاہور
- ماہنامہ المنتظر لاہور
- ماہنامہ خواجگان لاہور
- ماہنامہ الحوزہ لاہور
- ماہنامہ الحیاۃ لاہور
- رسالہ کواکب لندن

ترتیب

حرفِ آغاز

حضرت امام حسین علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یاد ہر سال منائی جاتی ہے اور واقعہ کربلا کے حوالہ سے بہت کچھ کہا اور لکھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سید الشہداءؑ کی یاد ماہ و سال اور روز و شب کی محتاج نہیں ہر لمحہ اور ہر گھڑی نواسہ رسولؐ کی یاد دلوں کو سکون اور روح کو قوت عطا کرتی ہے اس کی وجہ بھی کسی بیان کی محتاج نہیں کیونکہ اس مقدس یاد کے پیچھے انگنت حوالے اور بے شمار عوامل کار فرما ہیں جن کو صرف ایک جملے میں بیان کیا جا سکتا ہے اور وہ ہے۔ ''حق و عشق کردگار اور معراج بندگی''۔ امام حسینؑ نے صحرائے کربلا میں جو بے مثال کارنامہ پیش کیا اور جس طرح حق و صداقت کی پاسداری کا عملی نمونہ دکھایا اس کی لازوال تاثیر عالم انسانیت

کے لئے مشعل راہ ہے۔

وہ کربلا، جسے حسینؑ نے اپنے ساتھیوں اور باوفا انصار کے خون ہی سے نہیں بلکہ اپنے پاکیزہ لہو سے تعمیر کیا اور اس کی بقاء کو زینبؑ کی شجاعت اور زین العابدینؑ کے صبر نے یقینی بنایا اس پر ہونے والا معرکہ حق و باطل زندہ ضمیر قوموں کو ہمیشہ اپنی یاد دلا کر اپنے ہدف و مقصد سے آشنا و آگاہ کرتا رہے گا کیونکہ اس معرکہ میں افراد کی بجائے نظریات کا تصادم تھا تو ظاہر ہے کہ اس میں کون فاتح ہوا اور کسے شکست ہوئی اس کا فیصلہ بھی نظریات ہی کے حوالہ سے کیا جائے گا۔ جس فریق کا نظریہ و مقصد باقی ہے وہ فتح مند اور جس فریق کے عزائم و نظریات پر پانی پھر گیا وہ ہار گیا۔ اس حوالہ سے ہر انصاف پسند انسان کسی شک و شبہ کے بغیر یہ کہہ سکتا ہے کہ آمریت کی آغوش کا پروردہ یزید اپنے ناپاک عزائم میں ناکام ہوا اور عصمت کی چھاؤں میں پروان چڑھنے والا حسینؑ اپنے پاک نظریات و ارادوں میں کامیاب ہوا، اور جب تک "حق" باقی ہے حسینؑ فاتح ہے اور جب تک باطل سیاہ رو ہے تو یزید شکست خوردہ ہے۔ آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں دین اسلام اور پرچم توحید و رسالت سربلند نظر آتا ہے کون سا ایسا خطہ ہے جہاں خدا کے دین کا نام نہیں یہ سب کچھ اس حقیقت کا زندہ ثبوت ہے کہ حسینؑ فاتح ہے کیونکہ حسینؑ نے اپنے قیام کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے یہی کہا تھا کہ

"میں نے اپنے جد کے دین کو سربلند کرنے اور اس کے تحفظ کے لئے گھر چھوڑا ہے اور میں دین الٰہی کی پاسداری کے لئے اپنی جان تک قربان کر دوں گا تا کہ میرے بعد معبود کا نام کائنات کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائے اور میرے نانا کا پیغام ہر قوم تک پہنچ جائے"۔

آج دنیا میں اسلام و شریعت محمدیہؐ کا چرچا حسینؑ ہی قربانی و ایثار کا مرہون منت ہے سچ ہے کہ

؎ دیتے نہ سر حسینؑ تو پڑھتا نماز کون

حضرت امام حسین علیہ السلام اور کربلا کی یاد میں چند مقالات جو مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں انھیں یکجا کر کے کتابی صورت دے دی گئی ہے اس کی ترتیب جناب ڈاکٹر ایس۔ ایف. زیدی ڈائریکٹر فرووست اکیڈمی لندن نے دی۔ میں اس سلسلے میں ان کا شکر گزار اور ان کی کامیابی و مزید توفیق کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اس کی اشاعت میں برادر عزیز جناب سید دولت علی زیدی حفظہ اللہ نے کافی ہمت کی ہے اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے

العبد

حسن رضا غدیری

حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر

مانچسٹر (انگلینڈ)

۲/۳/۱۹۹۷ء

اظہارِ خیال

حسینؑ کربلا کا معمار

کربلا، حسینؑ کا آستانہ

اور ان دونوں کی یاد سے

مغموم دلوں کو سکون

مظلوم قوموں کو سہارا

اور

معصوم یادوں کو حیات تازہ ملتی ہے،

زیرِ نظر مجموعہ مقالات عظیم مفکر و دانشور

حجت الاسلام و المسلمین علامہ آقائے

حسن رضا غدیری

کی ان تحریروں کا خزینہ ہے جو مختلف

اخبارات و رسائل سے ہمیں دستیاب ہو سکی ہیں

ان کو ترتیب وار یکجا کر کے کتابی

صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس امید پر

کہ بارگاہ سید الشہداء علیہ السلام میں

شرف قبولیت حاصل ہو جائے

اور ہماری شفاعت کا سامان بھی!

مخلص۔

ڈاکٹر ایس۔ ایف زیدی

ڈائریکٹر

فردوست اکیڈمی، مانچسٹر

(انگلینڈ)

ہر سال محرم آتا ہے

مطبوعہ

ماہنامہ الغدیر لاہور

ہر سال محرم آتا ہے

ہر سال اسلامی تقویم کی ابتداء ماہ محرم الحرام میں حضرت امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کی یاد سے ہوتی ہے۔ 61 ہجری میں رونما ہونے والا المناک سانحہ اسلام اور انسانیت کی تاریخ کا نہایت دلسوز اور سبق آموز واقعہ ہمیں حق و باطل کے درمیان ہونے والے خونین معرکہ کی یاد دلاتا ہے جس میں حاکم وقت یزید بن معاویہ نے امام وقت حسینؑ ابن علیؑ سے بیعت کا مطالبہ کیا جو کہ اسلامی، دینی، اخلاقی، معاشرتی اور قومی و ملی کسی بھی حوالہ سے روا نہ تھا خود ساختہ حکمرانی کا تاج یزید نے اپنے سر پر سجا کر خدا ساختہ امام کو اپنے فرمان پر سر تسلیم خم کر دینے کے لئے مجبور کیا مگر جس امام نے ختمی مرتبت پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰؐ کی آغوش میں پرورش پائی ہو وہ کسی ناحق سلطنت کی

حمایت کیونکر کر سکتے تھے؟ چنانچہ حضرت امام حسینؓ نے صاف طور پر یزیدی مطالبہ بیعت سے انکار کر دیا اور یہ کہہ کر اپنے موقف کا واضح اعلان کیا کہ میں نبیؐ کی شریعت میں تبدیلی کے مرتکب شخص کی حمایت ہرگز نہیں کروں گا خواہ اس کے لئے مجھے کتنی صعوبتیں کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں بلکہ اگر میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں تب بھی دین کی حفاظت و پاسداری میں یہ سودا میرے لئے مہنگا نہ ہو گا چنانچہ آپؓ کا یہ جملہ عام طور پر دہرایا جاتا ہے کہ آپؓ نے فرمایا۔ "اگر محمدیؐ دین میرے قتل کے بغیر نہیں بچ سکتا تو اے تلوارو! آؤ اور میرے بدن کو چھلنی کر دو"۔

واقعہ کربلا درحقیقت ہمیں فداکاری و ایثار اور جاں نثاری کا درس دیتا ہے سیدالشہداء حضرت امام حسینؓ نے جس معصومانہ و مظلومانہ انداز میں بنی نوع آدم کو حریت و آزادی اور عزت کے ساتھ زندہ رہنے کا راستہ دکھایا اور اس کے لئے ہر طرح کے مصائب جھیلے اس کی نظیر تاریخ بشریت میں کہیں نہیں ملتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر امام حسینؓ کربلا میں اپنی بے مثال قربانی پیش نہ کرتے تو آج قافلہ انسانیت کو عزت و امن کی راہ نہ مل سکتی۔ یہ نواسہ رسولؐ امام حسینؓ کا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے امت محمدیہؐ کی نجات اور اسے سعادت کی راہ پر گامزن رکھنے کے لئے اپنی جان کا نذرانہ دیا۔ اپنے ساتھیوں، عزیزوں، بیٹوں، بھتیجوں اور عباس علمدارؓ جیسے باوفا بھائی کی جانیں پیش کیں۔ آج اگر جذبہ جہاد اہل اسلام کے دلوں میں پایا جاتا ہے تو یہ کربلا

والوں کی عظیم قربانی کا نتیجہ ہے کہ جنہوں نے یزید کی باطل نواز حکومت کی طرف سے ہر طرح کی مادی پیشکش کو مسترد کر کے حق کی حفاظت و نصرت کے لئے مدینہ منورہ کی پرامن سرزمین کو چھوڑا اور گہوارۂ امن و سلامتی مکہ مکرمہ آئے مگر یہاں بھی یزید نے ان کے لئے عرصہ حیات تنگ کر دیا اور مکہ مکرمہ و بیت اللہ کی حرمت کو پامال کرتے ہوئے مکہ سے باہر فوج جمع کرنا شروع کر دی تاکہ حج کے موقعہ پر خانہ خدا کے نزدیک قتل عام کا بازار گرم کر سکے لیکن حضرت امام حسینؑ نے جس طرح حضرت پیغمبر اسلامؐ کے مقدس شہر مدینہ منورہ کی حرمت کی پاسداری کے پیش نظر مدینہ سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ کا رخ کیا تھا اسی طرح اب معصوم امامؑ کو خانہ خدا کا احترام ملحوظ تھا اور امام حسینؑ اس بات کو ہرگز برداشت نہ کر سکتے تھے کہ ان کی وجہ سے بیت اللہ کی ہتک حرمت ہو اور دور دراز سے آئے ہوئے حجاج یزید کی سفاکانہ کاروائیوں کے نتیجہ میں ادائے فریضہ حج سے محروم ہو جائیں کیونکہ امام حسینؑ صرف اور صرف دین کی حفاظت کا مشن لے کر گھر سے نکلے تھے اس لئے آپؑ نے مکہ مکرمہ سے بھی ہجرت کا فیصلہ کیا اور اپنے حج کے احرام کو عمرے میں تبدیل کر کے بسوی کربلا روانہ ہو گئے۔ راستہ میں حضرت مسلم بن عقیل کہ جنہیں آپؑ نے اپنا سفیر و نمائندہ بنا کر بھیجا تھا ان کی شہادت کی خبر سمیت طرح طرح کے سخت مراحل طے کرنا پڑے اور بالآخر اپنی آخری منزل کربلا میں پہنچ گئے اور وہاں مظلومانہ شجاعت کے مظاہرے دکھائے روز عاشور لاشوں پر لاشے اٹھا

اٹھا کر کمر خمیدہ، ضعیف و ناتواں، عالم پیری میں صبر کا دامن نہ چھوڑا اور کڑیل جوان علی اکبرؑ سے لے کر ننھے شیر خوار علی اصغرؑ تک کے لاشہ ہائے خون آلود اٹھائے مگر عزم و استقلال میں کمی نہ آنے دی یہی وجہ ہے کہ جب شہزادہ علی اکبرؑ سے محو گفتگو تھے تو آپؑ کے جواں سال فرزند نے بھی موت کے بارے میں آپؑ کے استفسار پر یہی کہا کہ "بابا حق کی خاطر مرنا مجھے شہد سے زیادہ شیریں لگتا ہے"۔ اسی طرح خود امام حسینؑ نے میدان شہادت کی طرف روانہ ہوتے وقت سیدانیوں کو جس طرح صبر کی تلقین فرمائی وہ تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے اس کے ساتھ ساتھ امام حسینؑ نے اپنی شریک مشن بہن حضرت زینب کبریٰؑ سے فرمایا "اے بہن مجھے نماز شب میں یاد رکھنا" حضرت امام حسینؑ کا سجدہ، آخر رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کے لئے پیغام عمل ہے، فوج اشقیاء کے جم غفیر میں جو خطبے آپؑ نے دیئے وہ بھی اسلامی جہاد کے آئین اور دستور العمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

واقعہ کربلا کی یاد ہر سال منائی جاتی ہے شہدائے کربلا کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے مجالس منعقد ہوتی رہتی ہیں اور ماتمی جلوس نکالے جاتے ہیں اس کے علاوہ اظہار عقیدت کے لئے تلواروں و زنجیروں کے ساتھ ماتم کر کے جذبہ شہادت پیش کیا جاتا ہے آگ کے دہکتے ہوئے انگاروں پر ماتم کرنے کے مظاہرے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو عاشقان اہل بیتؑ کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ سب کچھ قابل قدر و لائق تحسین ہے اور جذبہ

شہادت و اظہار محبت لائق تعریف و قابل تقلید ہے۔ غم حسینؑ میں اشک ریز و ماتم کناں ہونا موجب اجر و ثواب اور سنت نبویؐ ہے ایسا کرنے والے "مرحبا" کے مستحق ہیں اسی طرح وہ سب اہل ایمان جو مجالس عزاداری و جلوسہائے ماتم کا اہتمام کرتے ہیں ان کے اعمال بھی یقیناً بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت پائیں گے لیکن اس حوالہ سے جو نہایت اہم بات کہنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ ہمیں کسی صورت میں مقصد شہادت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے جس اہم مقدس ہدف کے لئے امام حسینؑ اور اہل بیتؑ نے مصائب برداشت کئے اور ہم ان پر ہونے والے مظالم کی مذمت کرتے ہوئے ان کی مظلومیت کی یاد میں اجتماعی عبادت بجالاتے ہیں اس کی اصل روح کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔ امام حسینؑ نے اعلائے کلمہ حق اور دین خدا و شریعت محمدیہؐ کی پاسداری کے لئے اپنی جان قربان کی، عاشقان امام حسینؑ اور عزاداران مظلوم کربلا بھی دین کی پابندی کو اپنا شعار بنائیں احکام شریعت پر عمل کر کے سچے عاشق و محبت ہونے کا ثبوت دیں۔ خواتین حضرت زینبؑ اور سیدانیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پردہ داری کا عملی مظاہرہ کریں۔ خلاف شرع کسی کام کے مرتکب نہ ہوں، فرائض و واجبات کی ادائیگی میں ہرگز کوتاہی نہ کریں، اور ان تعلیمات و دستورات کو اپنا نصب العین بنائیں جو امام حسینؑ نے ہمیں دیئے ہیں تو یقیناً قیامت کے دن ہم اہل بیتؑ کے سامنے سرخرو اور ان کی شفاعت کے حقدار بن سکتے ہیں۔

امام حسینؑ کی یاد میں

مطبوعہ

ماہنامہ الغدیر لاہور

امام حسینؑ کی یاد میں

سال 1419ء اپنے اختتام کو پہنچا اور نئے سال 1420ء کا آغاز ہوا' محرم آگیا اور امام حسین علیہ السلام کی یاد منانے کے لئے اہل ایمان و ارباب دین اور صاحبان یقین سرگرم عمل ہو گئے' حسینؑ کی یاد دراصل عظمتوں کے تحفظ اور انسانیت کی پاسداری کے لئے دیئے جانے والے عملی درس کی یاد ہے۔ امام حسینؑ نے ظاہری شکست میں باطنی فتح اور عارضی ہار میں ابدی جیت حاصل کی' جسموں کی قربانی دے کر روحوں کو حیات دائمی عطا کر دی۔

یوں تو ہر سال دنیا کے گوشہ گوشہ میں کربلا والوں کی یاد منائی جاتی ہے اور ہر قوم اپنے اپنے انداز میں شہدائے کربلا کا غم مناتی ہے لیکن اس

پورے سلسلے میں جو نہایت اہم نکتہ قابل توجہ ہے وہ یہ کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ابھی تک غم حسینؑ کی تازگی میں نہ صرف یہ کہ کمی نہیں ہوئی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے اور امام حسینؑ کا تذکرہ اور مظلومان کربلا کی یاد منانے کا جذبہ ہر سال نئی آب و تاب کے ساتھ اپنی اثر آفرینی دکھاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس مقدس ذکر کے انعقاد کی راہ میں سیاسی و معاشرتی رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں اور اس حقیقت و حقانیت پر پردہ ڈالنے کی مذموم و ناکام کوشش کی جاتی ہے لیکن اس پاکیزہ یاد کی اعجاز آمیز حقیقت چھپائے نہیں چھپ سکتی بلکہ ہر طرح کی منفی کاوشوں کے باوجود اس کے اہداف مزید واضح و آشکار ہو رہے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ واقعہ کربلا میں جو دو قوتیں نبرد آزما تھیں ان کی بقا یا زوال کسی وضاحت کا محتاج نہیں کیونکہ ایک طرف حق تھا جو نواسہ رسول امام حسینؑ بن علیؑ کی صورت میں جلوہ نما ہوا اور دوسری طرف باطل تھا جو یزید کے پلید چہرے کی شکل میں سامنے آیا۔ تو ظاہر ہے کہ فتح و بقا حق کو حاصل ہونی تھی لہٰذا صدیاں گزر جانے کے باوجود امام حسینؑ اور آپؑ کے باایمان ساتھیوں کا نام ہی نہیں کام اور مقصد بھی آج تک زندہ ہے اور ہر قوم کربلا والوں کے درس کو دہراتی ہے اور اس کے سائے میں اپنی زندگی کی عظمتوں اور سعادتوں کے تحفظ کو یقینی بناتی ہے جبکہ یزید اور اس کے باطل پرست ساتھیوں کا نام داخل دشنام ہو گیا کیونکہ باطل کو ہرگز

بقا حاصل نہیں ہو سکتی اور غاصب اپنے مکروہ چہرے کو زیادہ دیر چھپا نہیں سکتا۔

آج دنیا بھر میں نواسہ رسولؐ کی یاد منائی جا رہی ہے ہر جگہ عزاداری ہو رہی ہے' صف ماتم بچھائی جا رہی ہے' نوحہ خوانی و سینہ زنی کے اہتمامات ہو رہے ہیں یہ سب کچھ کیا ہے اور کیوں ہے؟ اس کا جواب کسی سے پوشیدہ نہیں اور وہ یہ کہ یہ سب کچھ اصل میں ظالم سے نفرت اور مظلوم سے محبت کا اظہار ہے بلکہ اس سے بالاتر یہ کہ یہ سب کچھ ظلم سے بیزاری اور حق و عدل سے دلداری کی علامت ہے اور اگر اس سے بھی بالاتر بات کی جائے تو یہ سب کچھ حق کی حمایت اور باطل سے عداوت کا عملی عہد ہے۔

امام حسینؑ کی یاد منانا یقیناً" عبادت اور جذبہ ایمانی و ایثار و قربانی کا عملی مظاہرہ ہے لیکن اس موقع پر جو اہم ترین بات ہمیں کرنی ہے وہ یہ کہ امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کی یاد مناتے ہوئے ہمیں وہ حقیقی مقصد ہر صورت میں ملحوظ خاطر و مدنظر رکھنا چاہیے جس کے لئے نواسہ رسولؐ جیسی عظیم شخصیت نے اپنی مقدس ترین جان قربان کی اور اپنے عزیز اور جوان و کم سن بچوں کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ وہ مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ ہم خدا کی بندگی کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بندوں کی بندگی کی ناپختہ زنجیروں کو توڑ کر فطری حریت و آزادی کا تحفظ کر کے اطاعت الٰہی

کو اپنا اوڑھنا بچھونا قرار دیں۔ امام حسینؑ نے اپنی عظیم شہادت کے مقصد اعلیٰ کو بیان کرتے ہوئے یہی کہا تھا کہ "اگر محمدؐ کا دین میرے قتل ہونے کے علاوہ کسی صورت میں نہیں بچ سکتا تو اے تلواروں آؤ اور میرے بدن کے ٹکڑے کر دو"۔ اس نہایت بلند پایہ فقرے میں امامؑ نے تحفظ دین کو مقصد اعلیٰ قرار دیا اور اس کے لئے اپنی جان کی قربانی پیش کر دی۔ اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کے نزدیک دین الٰہی اس قدر قیمتی تھا کہ اس کو بچانے کے لئے اپنی جان بھی قربان کر دی۔

اب امام حسینؑ کی یاد منانے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں کہ ہم خدا کے دین کی عملی حفاظت کریں احکام الٰہی کو اپنی زندگی میں اصل و بنیاد قرار دیں وہی کچھ کریں جو خدا چاہتا ہے اور ہر اس کام سے دور رہیں جس میں خدا کی ناراضگی شامل ہو'

محمدؐ کے دین و شریعت کی پاسداری کا فریضہ ادا کر دیں۔

عزاداری کے تمام امور اسی طرح انجام دیں جس طرح سب سے پہلے عزادار کربلا سید سجاد امام زین العابدین علیہ السلام نے انجام دیئے ان کی سنت و سیرت پر عمل کرتے ہوئے امام حسینؑ کی مجالس عزا میں سچے غمگسار و عزادار اور مخلص سوگوار بن کر آئیں

عزاداری کو رسم و رواج سے بالاتر عظیم عبادت کی حیثیت میں برپا کریں اور " **یا لیتنا کنا معکم فنفوز فوزاً" عظیما"** (اے کاش

ہم آپ کے ساتھ ہوتے تو عظیم کامیابی حاصل کر لیتے) کے الفاظ ورد زبان کرتے ہوئے دل و نگاہ اور فکر و عمل میں اس کا ثبوت دیں تا کہ قیامت کے دن جب حضرت سیدۂ کونین فاطمہ زہراء علیہا السلام ہماری شفاعت کرنا چاہیں تو ہم ان کی شفاعت حاصل کرنے کے لائق ہوں۔

امام حسینؑ کی یاد ہماری محتاج نہیں کیونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ مظلوم کربلا کے غم میں اشک ریز ہے حقیقت میں ہم ہی ہیں جو نواسہ رسولؐ کی یاد منانے کے محتاج ہیں کیونکہ ہم جس دنیا میں رہتے ہیں وہ معصیت و گناہ سے آلودہ ہے اور ہم اس کی پلید نظروں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اس لئے ہماری نجات اور واجبات و اعمال کی قبولیت کا ذریعہ سید الشہداء کی عزاداری ہے لہٰذا عزاداری کے آداب و تقاضوں کو پورا کرنا ہمارا فریضہ ہے کہ اگر یہ صحیح طور پر ادا ہو جائے تو سب کچھ شرف قبولیت پالے گا اور ہمارا یہ عہد و اعلان ہے کہ ۔

ہم وقت کے طوفان سے ٹکرا کے رہیں گے
ہر لب پہ حسینؑ ابن علیؑ لا کے رہیں گے

امام حسینؑ کا منشورِ انسانیت

مطبوعہ

ماہنامہ المنتظر لاہور

ماہنامہ خواجگاں لاہور

امام حسینؑ کا منشور انسانیت

"مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا" !
یہ مقدس اعلان اس شخصیت نے کیا
جس کی تربیت آغوش عصمت میں ہوئی،
جس نے زبان رسالت کو چوس کر کسب کمالات کیا،
جس نے تاج امامت پہن کر تخت ولایت کو عظمت بخشی،
جس نے آمریت کے گلے کو مظلومیت کے خنجر سے کاٹ دیا،
جس نے اپنا سکون قربان کر کے انسانیت کو سکون کی نعمت عطا کی،

جس نے ظلم کے سامنے سر نہ جھکا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عدل کا سربلند کر دیا'

جس نے جبر و جور کی کڑکتی دھوپ میں بیٹھی آدمیت کو حریت و آزادی کی چھاؤں دی'

جس نے دین کی لٹتی ہوئی ناموس کو اپنا سب کچھ دے کر بچا لیا

اور

جس نے ظالم کے بجائے ظلم اور آمر کے بجائے آمریت کا مقابلہ کیا' ایسا مقابلہ کہ رہتی دنیا تک کوئی شخص کسی ظالم سے محبت نہ کرے گا اور کسی آمر کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے گا۔

وہ شخصیت نواسہ رسولؐ۔ جگر گوشہ علیؑ و بتولؑ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام ہیں کہ جن کا منشور انسانی معیاروں کا تحفظ اور فطری قدروں کی پاسداری سے عبارت ہے۔

حسینؑ کا منشور ظلم و استبداد کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی انسانیت کو آزادی دلانا اور اسلام کی حقیقی عظمتوں کا خون کرنے والوں سے ہر حال میں اور ہر لمحہ جہاد کرنا ہے۔

حسینؑ اسرار یزدانی کا امین اور رموز قرآنی کا شناسا'
افکار نبوت کا ترجمان اور آثار ولایت کا پاسدار'
شعور انسانیت کا محافظ اور غرور بشریت کا نگہبان'

حسن بندگی کی جان اور روح زندگی کی پہچان'

حسینؑ پیامبر عزت اور رسول شرافت کہ جس نے دکھی انسانیت کو ظلم کی چکی میں پستا دیکھنا گوارا نہ کیا اور دین کو بے دین حکمرانوں اور ارباب اقتدار کے ہاتھوں بدنام ہوتا دیکھ کر خاموش رہنا اپنی توہین سمجھا۔

آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کی محبت' اس کے ذکر اور اس کی یاد کے چراغ روشن ہیں'

صدیاں گزر جانے کے باوجود حسینؑ کی صدائے حقیقت بزم کائنات میں گونج رہی ہے اور آج بھی حسینؑ کا نام زبان زد خاص و عام ہے۔

ہر قوم حسینؑ کو اپنا کہہ رہی ہے اور حسینؑ کے مقدس منشور کو اپنا رہی ہے۔

حسینؑ ابن علیؑ نے جو منشور اور جو دستور و آئین صحرائے کربلا میں پیش کیا اس کی بنیاد قرآن و سنت و سیرت محمدؐ و آل محمدؐ کے سوا کچھ نہیں اور یہ بنیاد درحقیقت انسانی عظمتوں کے تحفظ کا دوسرا نام ہے۔ اسے ہی "روح انسانیت" کہتے ہیں اور اسے ہی "کمال فطرت" کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔

امام حسینؑ نے یہ کہہ کر کہ "مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا" اپنے قیام و جہاد کی اصل حقیقت واضح کر دی اور اپنی معصوم و پاکیزہ شخصیت کی عظمت کی تاریخ بیان کر دی۔

حسینؑ نے مدینہ چھوڑا'

مکہ مکرمہ میں احرام کی حرمت کی پاسداری کرتے ہوئے امن کے گہوارہ بیت اللہ کے تقدس کو بچایا اور پھر سرزمین نینوا میں خیمے لگا کر دنیا کی لذتوں' آسائشوں اور آرام و سکون کو نظر انداز کر کے دین کی سربلندی اور انسانیت کی سرفرازی کے لئے قربانی پیش کی' بے مثال قربانی اور بے نظیر ایثار' ایسی قربانی کہ جس کا نمونہ تاریخ بشریت میں نظر نہیں آتا۔

حضرت ابراہیمؑ کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے والا حسینؑ قدم بہ قدم اپنے پاکیزہ مشن کی تکمیل میں کوشاں رہا' اس مقصد کے حصول میں کامیاب ہوا جس کی خاطر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ آئے' کتابیں نازل ہوئیں' صحیفے اترے اور وہ مقصد عبارت تھا اعلائے کلمہ توحید سے' حفظ حرمت انسانیت سے اور احترام حقوق بشریت سے!

حسینؑ آج بھی زندہ ہے اس لئے کہ اس کا پیغام زندہ ہے' اس کا مشن زندہ ہے اور اس کا منشور زندہ ہے' دنیا بھر کی حریت پسند قومیں حسینؑ کے منشور انسانیت کو اپنا رہی ہیں کیونکہ وہ منشور حقیقی معنے میں فطری آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔

حسینؑ کا منشور اس کے سوا کچھ نہیں کہ خلق پر خالق کی حکمرانی ہو اور بندے بندوں کا استحصال نہ کریں۔

حسینؑ کا منشور عظمتوں کا منشور ہے اس لئے اس میں فطرت سلیمہ

کے عظیم معیاروں کو اپنانے کی دعوت عام ہے۔
حسینؑ کا منشور عزت کا منشور ہے اس لئے اس میں ذلت کی زندگی سے عزت کی موت کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔
حسینؑ کا منشور آدمیت کا آئین ہے اس لئے اس میں آمریت سے ٹکرانے کا درس دیا گیا ہے۔
حسینؑ کے منشور کی اصل و اساس قرآن ہے جو کہ کتاب ہدایت اور صحیفہ سعادت ہے اس لئے حسینؑ کے منشور پر عمل کرنا دنیا و آخرت کی سعادت و خوشبختی کا ضامن ہے۔
حسینؑ کا منشور حریت کا دستور ہے اس لئے اس میں غلامی کے تصور کی سرے سے نفی کی گئی ہے چنانچہ حسینؑ نے اپنی مخالف فوج سے مخاطب ہو کر جو پیام حریت دیا اس میں واضح و صریح الفاظ میں فرمایا:
"اگر تم کسی دین کے پابند نہیں ہو اور تمہیں آخرت کا کوئی خوف ہی نہیں تو کم از کم اس مادی دنیا میں ہر طرح کی غلامی سے آزاد ہو کر زندگی بسر کرو۔
حسینؑ کا یہ پیغام ایک آئین و دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں سب سے پہلی بات یہ کی گئی ہے کہ تم دین کی پابندی کرو'
دین کا احترام کرو دینی قدروں اور اصولوں کی پیروی کرو'
دین کو اپنی زندگی کی اساس قرار دو اور دین کو اپنا آئین بناؤ۔

اس کے بعد آخرت کا ذکر ہے کہ اگر تم دین کی حرمت کی پاسداری نہیں کرتے اور اپنے آپ کو دینی اقدار کے پاکیزہ زیور سے آراستہ نہیں کرتے تو پھر آخرت کا خوف ہی دل میں پیدا کر لو کیونکہ موت تو بہرحال ناقابل انکار امر ہے اور تمہیں ہر حال میں اس فنا پذیر و زوال آشنا عالم طبیعت کو چھوڑ کر جانا ہے اور وہاں جانا ہے جہاں تمہارے اعمال کا حساب و کتاب ہو گا اور تم سے ہر بات اور ہر کام کے متعلق سوال کیا جائے گا اور وہاں تم بے اختیار ہو گے اور تمام اختیار تمہارے خالق کے پاس ہو گا وہ تمہارا محاسبہ کرے گا اور تمہارے اعمال کی چھان بین ہو گی۔ اس عالم آخرت سے خوف کھاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری سزا جہنم کا دائمی عذاب بن جائے اور پھر تم کف افسوس ملتے رہو کہ جو ہرگز تمہارے لئے فائدہ مند نہیں ہو گا۔ آخرت کا عالم خدائے قادر کے اقتدار کا عالم ہے اس میں صرف اور صرف تمہارے اعمال جزاء و سزا کا معیار ہوں گے۔

اور پھر اس کے بعد امامؑ نے حریت و آزادی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم ان دونوں چیزوں سے محروم ہو یعنی نہ تو کسی دین کے پابند ہو اور نہ آخرت کا خوف رکھتے ہو تو پھر کم سے کم یہ کہ اپنی اس مادی زندگی میں حریت و آزادی کے ساتھ رہو۔

کسی ظالم و آمر کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرو'

کسی کی غلامی میں اپنی فطری آزادی کو پامال نہ کرو'

کسی کی دنیا کے لئے اپنی آخرت تباہ نہ کرو'
کسی کو اپنے اختیار و ارادے پر مسلط نہ کرو'
کسی کو اپنے ضمیر کا خون کرنے کی اجازت نہ دو'
کسی کو اپنی تقدیر سے کھیلنے نہ دو'
اپنی زندگی اور اپنی آخرت کا فیصلہ خود کرو اور اپنی دنیا میں "آزاد" بن کر رہو'

تمہاری آزادی خدا کی بندگی میں ہے' تمہاری آزادی دین کی پاسداری میں ہے' تمہاری آزادی آخرت کے خوف میں ہے اور تمہاری آزادی تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔

حسینؑ کا یہ پیغام درحقیقت منشور انسانیت' آئین عزت' دستور حریت اور قانون عظمت ہے اس لئے حسینؑ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ

"میں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے گھر سے نکلا ہوں۔ میرا مقصد گناہ کو روکنا ہے' دنیاوی دوستی پر آخرت کی دوستی کو ترجیح دینا ہے' شہوت پرستی کی بجائے خدا پرستی کا نظام قائم کرنا ہے' میں چاہتا ہوں ہر جگہ نیکی و اچھائی ہو اور برائی و گناہ کا خاتمہ ہو جائے"۔

امام حسینؑ نے جو پیغامات صحرائے کربلا میں دیئے ان میں دکھی انسانیت کا مداوا ہے' مدینہ فاضلہ کی بنیاد ہے اور عظیم معاشرے کی تشکیل کا

درس ہے۔

حسینؑ نے ظاہری طور پر شکست کھائی کیونکہ انہیں قتل کیا گیا۔ ان کے لاشے پامال کیے گئے۔ ان کے خیمے جلائے گئے ان کے بچوں اور خواتین کو قید کر لیا گیا لیکن

حقیقی معنے میں حسینؑ کامیاب ہوئے اس لئے کہ حسینؑ نے جس مقصد کے لئے قربانی دی وہ زندہ و جاوید ہے' حسینؑ کا مقصد کلمہ توحید کی سربلندی اور دین کی اصل حقیقت کا اظہار تھا اس لئے حسینؑ فاتح قرار پائے کیونکہ کربلا کے بعد کوئی حاکم یہ جرات نہ کر سکا کہ کسی معصوم پیشوا سے بیعت کا مطالبہ کر سکے۔

حسینؑ کامیاب ہوئے کیونکہ آج کوئی بشر ایسا نہیں جو ظلم سے نفرت اور مظلوم سے محبت نہ کرتا ہو۔

حسینؑ نے فتح پائی کیونکہ یزید کا نام داخل دشنام ہو گیا اور حسینؑ کا نام پاکیزہ جذبوں کی علامت بن گیا۔

حسینؑ نے کامیابی حاصل کی کیونکہ حسینؑ کی قربانی سے اسلام کو حیات تازہ ملی اور رہتی دنیا تک اسلام کا نام روشن ہو گیا۔

شکست حسینؑ کی نہیں یزید کی ہوئی کیونکہ دنیا بھر میں حریت و آزادی کے حصول کی جدوجہد میں مصروف ہر قوم حسینؑ کو اپنا پیشوا مانتی ہے اور یزید اور اس کے عمل سے نفرت کرتی ہے۔

یہ حسینؑ کی کامیابی ہے کہ آج ہر لب پر لا الہ الا اللہ کا کلمہ جاری ہے۔ یقیناً کامیابی اسی کی ہوتی ہے جس کا مقصد حاصل ہو جائے اور حسینؑ نے تو صاف لفظوں میں اپنے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ

میں نے اپنے جد بزرگوار حضرت محمدؐ کے دین کو بچانے کے لئے قیام کیا ہے۔

میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے قیام کیا ہے۔

میں نے حریت و آزادی کے تحفظ کے لئے قیام کیا ہے۔

میں نے انسانی قدروں کو پامال ہونے سے بچانے کے لئے قیام کیا ہے۔

میں نے اعلائے کلمہ توحید کے لئے قیام کیا ہے۔

میں نے نفاذ سنت نبویؐ کے لئے قیام کیا ہے۔

میں نے عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کے لئے قیام کیا ہے۔

میں نے ظلم و جور کے خلاف عملی جہاد کے لئے قیام کیا ہے۔

میں نے حق و حقیقت کی پاسداری میں قیام کیا ہے۔

اور

میں نے باطل کو ناکام و رسوا کرنے کے لئے قیام کیا ہے۔

یہ سب باتیں حسینؑ کے منشور انسانیت کا حصہ ہیں اور انہی کی بنیاد

پر نواسہ رسولؐ نے قیام کیا۔

حسینؑ کا منشور کسی زمانے یا حالات کی مخصوص کیفیتوں کے لئے نہیں تھا بلکہ ایک دائمی اور عالمی منشور تھا اور یہ منشور آج بھی اپنی خوبیوں کے ساتھ پوری دنیا میں عملی طور پر نافذ ہے کیونکہ یہ منشور انسانیت کا منشور ہے لہٰذا جب تک کائنات میں انسانیت کا وجود باقی ہے اس منشور پر عمل ہوتا رہے گا اور جب تک اس منشور پر عمل ہوتا رہے گا حسینؑ کا نام بھی زندہ رہے گا۔

حسینؑ کا نام حسینؑ کے کام کے ساتھ ساتھ زندہ ہے اور اسی حسینؑ کام کے نتیجے میں اسلام زندہ ہے اور اسلام کو تو زندہ رہنا ہی ہے کیونکہ یہ دین فطرت ہے' یہ توحید کا دین ہے' یہ خدا کا دین ہے۔ اسے تو زوال آ ہی نہیں سکتا۔ زوال تو آتا ہے بندوں کے بنائے ہوئے قانون و آئین کو نہ کہ خالق کے دستور و دین کو۔ خدا کا دین خدا کی طرح لازوال ہے۔ اور پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ خدا کا دین آئین کمال ہے' آئین بقاء و دوام ہے اور آئین ہدایت و سعادت ہے۔ امام حسینؑ نے اسی الٰہی دین کے تحفظ کے لئے پرچم حق بلند کیا اور اسی پرچم کا پھریرا فضائے کائنات میں ہمیشہ لہراتا رہے گا۔ اس پرچم کو کون سرنگوں کر سکتا ہے۔ اس کی معنوی بلندی کون کم کر سکتا ہے اور اس کی ابدی رنگت کون بدل سکتا ہے۔ اسے خالق کائنات نے بنایا' اسے معصوم شخصیات نے اٹھایا اور مظلوم نفوس نے بچایا۔

حسینؑ کا پرچم یہی ہے اور یہی حسینؑ کے منشور کی نشانی ہے۔

حسینؑ کا منشور ہمیشہ زندہ و جاوید اور ہمیشہ نافذ رہے گا اور اسی سے دین اسلام کی عظمتیں وابستہ ہیں۔ اسی کے نفاذ سے امن و سکون' عزت و شرافت' صداقت و دیانت اور عظمت و سعادت کا نظام نافذ ہو گا۔

فطرت کی زیبائیوں کا امین حسینؑ کا منشور انسانیت اپنی روحانی آب و تاب کے ساتھ وجود میں آیا' موجود ہے اور موجود رہے گا۔

شہادت امام حسینؑ کے آثار

مطبوعہ

رسالہ کواکب لندن

شہادت امام حسینؑ کے آثار

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے خدا کی توحید' نبی کی نبوت' قرآن کی عظمت اور دین اسلام کی حقانیت کا اثبات ہوا۔

امام حسینؑ کے شجاعانہ کردار اور مردانہ جاں بازی سے اس بات کا روشن ثبوت ملتا ہے کہ اگر پردۂ غیب میں کوئی ایسا یکتا حاکم موجود نہ ہوتا جس کی رضا و خوشنودی کا حصول امام حسینؑ جیسی عظیم شخصیت کو اپنی مقدس جان قربان کر دینے کی راہ پر لگائے تو سید الشہداء ہرگز اپنے آپ کو اس طرح موت کے لئے پیش نہ کرتے' یہ تو اس سلطان علی الاطلاق اور حقیقی محبوب کی محبت تھی کہ جس نے امام حسین علیہ السلام کو اتنی

تکلیفوں، سختیوں، مصیبتوں و آلام برداشت کرنے اور کربلا کے تپتے ہوئے
صحرا میں اپنی نازنین جان کا نذرانہ پیش کرنے پر آمادہ کیا، اسی محبت کے
پاکیزہ جذبے کا اظہار امام حسین علیہ السلام نے ان الفاظ میں کیا۔

ترکت الخلق طرا فی ہواک
و ایتمت العیال لکی اراک
ولو قطعتنی فی الحب ازبا" اربا"
لما حن الفواد الی سواک

"میرے معبود! میں نے پوری کائنات کو تیری محبت میں چھوڑا ہے
اور میں اپنے بچوں اور عیال کو یتیم و بے سہارا کر رہا ہوں تاکہ تیرا دیدار
کر لوں، اگر تو اس محبت میں میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دے تب بھی
میرا دل تیرے سوا کسی کے آگے نہیں جھکے گا"۔

یہ تھی حسینؑ کی محبت کی معراج کہ اپنا سب کچھ اپنے محبوب کی
رضا و خوشنودی اور لقاء اللہ کے لئے قربان کر دیا اور اس قربانی سے یہ
ثابت کیا کہ وہ محبوب اور وہ معشوق میرا وہ حقیقی و یکتا معبود ہے جس نے
پوری کائنات کو پیدا کیا اور اس کا حکم واجب الاطاعت اور اس کی رضا و
خوشنودی اس قدر عظمت رکھتی ہے کہ اس کے لئے حسینؑ کی جان تک
قربان کی جا سکتی ہے۔ اس کی خوشنودی کے حصول کی راہ میں ہر تکلیف و
سختی اور مصیبت و اذیت برداشت کی جا سکتی ہے۔

امام حسینؑ کے ایثار و فداکاری نے خدا کی وحدانیت کو ثابت کیا اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے غور و فکر کرنے اور حقیقی یکتا خالق کی معرفت حاصل کر کے اس کے فرامین و احکام کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت کا عملی درس دیا۔

امام حسینؑ نے پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا ثبوت بھی فراہم کر دیا اور آنحضرتؐ کی پیشگوئیوں کی تصدیق کر دی۔ امامؑ نے اپنی شہادت سے پیغمبرؐ کی صداقت کو رہتی دنیا تک کے لئے یقینی ثابت کر دیا تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ حضرت پیغمبر اسلامؐ نے امام حسینؑ سے متعلق جو کچھ فرمایا اس کی تصدیق و تائید عملی طور پر کربلا کے میدان میں ہو گئی۔

اسی طرح قرآن کی عظمت کا ثبوت بھی امام حسینؑ کی عظیم و مظلومانہ شہادت سے ملتا ہے' امام حسینؑ کی شہادت نے قرآن کے بتائے ہوئے مفہوم شہادت اور مقام شہادت کو آشکار کیا۔ قرآن کہتا ہے۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا" بل احیاء عند ربھم یرزقون "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس رزق پاتے ہیں"۔

اس آیت کی صداقت کا ثبوت اس وقت ملا جب امام حسینؑ نے شہادت کے بعد زندوں کی طرح بر سر نیزہ قرآن کی تلاوت کر کے شہید کی

ابدی حیات کو چشم دید بنا دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ قرآن نے شہیدوں کو زندہ کیونکر قرار دیا ہے اسی طرح سر امام حسینؑ نے بازار کوفہ میں نوک نیزہ پر سورۂ کہف کی تلاوت کر کے (**ان اصحاب الکھف و الرقیم کانوا من آیاتنا عجبا**) اصحاب کہف کے واقعہ کی تصدیق کر دی جس کے بعد کوئی شک ہی نہیں کر سکتا کہ آیا اصحاب کہف کا واقعہ رونما ہوا کہ نہیں' یہ امام حسینؑ کی شہادت کے پاکیزہ آثار میں سے ایک ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے دین اسلام کی حقانیت کو اس طرح پایہ ثبوت تک پہنچایا کہ معمولی سی سوچ رکھنے والا شخص بھی دین اسلام کی صداقت سے انکار نہیں کر سکتا۔

امام حسینؑ نے اصول اسلام اور فروع اسلام دونوں کی حقانیت کی عملی تصویر اپنی شہادت کے رنگ میں پیش کی۔

امامؑ نے مصائب کی شدید ترین حالت میں نماز ادا کر کے اس فریضہ الٰہی کی اہمیت کو عملی طور پر ثابت کیا' اور ایک رات کی مہلت مانگ کر عبادت اور فرائض خداوندی کی ادائیگی کی اہمیت کو ہمیشہ کے لئے سند عطا کر دی' گویا امامؑ نے بتایا کہ نماز دین کا ستون ہے' نماز اعمال کی قبولیت کا ذریعہ ہے' شب عاشور اور عصر عاشور جس طرح خضوع و خشوع کے ساتھ امام حسینؑ نے نماز ادا کی اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ امامؑ کے اس عمل سے فرائض الٰہی کی عظمت و اہمیت اس قدر یقینی ہو گئی کہ اب کوئی اہل دین

ان کی بابت شک نہیں کر سکتا۔

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے لافانی اثرات میں سے ایک یہ ہے کہ نماز سمیت دیگر تمام واجبات کو بقا حاصل ہو گئی۔ روزہ' حج' جہاد اور تمام فرائض کی اصل غرض و مقصد کی خاطر عظیم قربانی دے کر ثابت کر دیا کہ ان تمام اعمال کی اصل روح رضائے پروردگار ہے لہٰذا اس کے حصول کے لئے جان بھی قربان کرنی پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

آج دنیا بھر میں اسلام کی تعلیمات اور دینی احکام کا احترام جس حد تک بھی موجود ہے وہ سب امام حسین علیہ السلام کی بے مثال شہادت کا نتیجہ ہے کیونکہ امامؑ نے اپنے قیام و جہاد کا اصل مقصد ہی یہ قرار دیا اور اس کا بار بار اعلان و اظہار کیا کہ میں خدا کے احکام اور اپنے جد محمد مصطفیٰؐ کی سنت و سیرت کو زندہ رکھنے کے لئے کربلا میں آیا ہوں۔

اجتماعی و معاشرتی اخلاقیات کا عملی درس جس طرح امامؑ نے دیا وہ اپنی مثال آپ ہے اس سے اسلام کے اخلاقی دستورات کی عظمت واضح ہو جاتی ہے۔ آپؑ نے شب عاشور اپنے ساتھیوں سے اتمام حجت کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص جانا چاہے چلا جائے میں اجازت دیتا ہوں اور میں راضی ہوں قیامت کے دن اس کی شفاعت بھی کروں گا اس پر امامؑ کے جاں نثار و بامعرفت اصحاب نے عرض کی کہ آپ کے قدموں میں ہماری جانیں قربان ہوں یہ ہماری زندگی کا اصل مقصد ہے۔ استقامت و ثابت قدم' وفاداری و

جاں نثاری اور شجاعت و ایثار کا عملی درس امام حسینؑ نے اپنی شہادت عظمیٰ سے دیا۔ ہدف و مقصد کے حصول کے لئے آخری لمحہ تک ثابت قدم رہنا' حقیقی محبوب خدائے وحدہٗ لا شریک سے وفاداری کا ثبوت دینا اور لقاء اللہ کے لئے ہر طرح کی سختی و تکلیف سہہ کر جان قربان کر دینا دراصل یہ تمام جذبے امام حسینؑ کی عظیم و مظلومانہ شہادت کے وہ پاکیزہ آثار ہیں جو رہتی دنیا تک بنی نوع آدم کے دل و دماغ میں زندہ رہیں گے۔

امام حسینؑ کی شہادت نے قربانی کے عظیم جذبہ کو رگ بشریت میں جس طرح موجزن کیا اس کے نتیجے میں قوموں کی عظمت کو تحفظ مل گیا' حقوق کی فطری جنگ جیتنے کا ڈھنگ معلوم ہوا۔

غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کا طریقہ واضح ہوا۔

آمریت کے بت پاش پاش کرنے کا سلیقہ مل گیا۔

ظلم کے خلاف برسرپیکار ہو کر اس کی مکمل بیخ کنی کا نسخہ دریافت ہو گیا۔

ناانصافی کے آہنی طوق کو پارہ پارہ کرنے کا عزم ملا۔

انسانی معاشرے پر ناجائز حکمرانی کے خواب چور چور ہو گئے۔

فطری آزادی پر ڈاکہ زنی کرنے والوں سے نمٹنے کا ولولہ پیدا ہوا۔

اخلاق باختگی کے امڈتے ہوئے طوفان کا رخ موڑنے کا سبق ملا' حریت و آزادی کے حقیقی مفہوم کی عملی تصویر سامنے آئی۔

انسانیت کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے مثبت جدوجہد کے اطوار معلوم ہوئے۔

سچائی کا بول بالا کرنے کا شعور جاگا۔

مطلق العنان حکمرانوں کے سامنے ڈٹ جانے اور کلمہ حق کہنے کی جرات ملی۔

بشری مزاج پر چھائے ہوئے غلامانہ تصورات کا طلسم ٹوٹا۔

ذلت کی بیڑیاں پہنی آدمیت کو عزت سے زندہ رہنے کی راہ مل گئی۔

حق و حقیقت کے پیاسے مسافران خرد نے اپنا مقصد پا لیا۔

صدیوں کی جہالت کا جو غبار فضائے ہستی پر محیط ہو کر اپنے مسموم اثرات سے تخلیقی معیاروں کو محو کر رہا تھا پل بھر میں چھٹ گیا۔

مجازات کی وادی میں گم رہروان خرد نے حقیقتوں کا خیمہ ڈھونڈ لیا۔

دنیا کی زیبائیوں کو آخرت کے عشق نے منہ چھپانے پر مجبور کر دیا۔

نفس کی انگڑائیاں لیتی خواہشوں نے دم توڑ دیا۔

معنویت و روحانیت کی برق آسا قوت نے مادیت و نفسانیت کا جگر چیر ڈالا۔

شیطانیت' رحمانیت سے پنجہ آزمائی کرنے کی مذموم کوشش میں ناکام ہو گئی۔

خدا پرستی کے فطری شعور نے خود پرستی کی فرسودہ صفت کو رزق خاک بنا

دیا۔

خاک نشینوں کی بلند ہمتی نے کاخ نشینوں کی نخوت کو خاک میں ملا دیا۔

بسترِ مرگ پر کروٹیں لیتی شرافت کو حیات تازہ مل گئی۔

صداقت کے زخمی جسم سے رستے لہو کی گرمی نے صداقت پسند ضمیروں کو گرما دیا۔

امانت و دیانت کے نیم مردہ بدن کو روح بقا ملی۔

شہادت کی سرخی نے شفق کے چہرے کو اپنا رنگ وقف کر دیا۔

شہید کے سرخ رو نے جذبہ شہادت سے سرشار ہر سرفروش کے شوق وصال محبوب کو سرخرو کر دیا۔

اقتدار کے ملبے تلے دب کر رہ جانے والی انسانی عظمت کو بقائے دوامی کی مسند اقتدار مل گئی۔

آہیں بھرتی، ہچکیاں لیتی و لہو روتی آدمیت کی اکھڑتی سانسوں کی جان میں جان آ گئی۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغامبران الٰہی کے پڑھائے ہوئے سبق کہ جن پر ابلیسی دھول آ چکی تھی ایک بار پھر یاد آنے لگے۔

ان دیکھی حقیقت پر ایمان لانے والوں کا مذاق اڑانے کی معاندانہ رسم دم بخود ہو کر رہ گئی۔

ہر دور کے فرعون کا غرور وقت کے موسیٰ کی روحانی قوت نے ریزہ ریزہ کر دیا۔

آمروں کے غیر انسانی رویوں سے ہراساں اولاد آدم کے خوف و ہراس کو "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" کے مصداق دربدر ہونا پڑا۔

مظلوم کی فریادوں نے ظالم کی بربادی کا نقارہ بجا دیا۔

"شہید زندہ ہوتا ہے" کی قرآنی حقیقت کا عملی ثبوت فراہم ہو گیا جس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہی اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو حیات شہید سمیت ہر قرآنی حقیقت کی بابت ہر طرح کے شک و شبہ سے نجات مل گئی۔

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ "خدا کا وعدہ سچا ہے کہ تم ہی غالب رہو گے اگر تم باایمان رہے" (**وانتم الاعلون ان کنتم مومنین**)۔ آج حسینؑ کا نام باقی اور یزید کا نام داخل دشنام ہو چکا ہے یہ صرف ایمان کے پاکیزہ اثر کے سوا کچھ نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے خون کی شمشیر پر فتح کا عملی نمونہ پیش کر کے رہتی دنیا تک آنے والے افراد بشر کو حقوق کے حصول کی جنگ میں استقامت و ثابت قدمی کے ساتھ جذبہ جہاد کی فطری تاثیر کا یقین دلا دیا کہ اب مظلوم و محروم اور مستضعف و محکوم اقوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کا عمل زیادہ دیر نہیں چل سکتا۔ حریت

پسند قومیں امام حسین علیہ السلام کے ایثار و شہادت کو معیار عمل و نمونہ قیام قرار دیتے ہوئے ظالموں و آمروں کے مقابلے میں ڈٹ جاتی ہیں اور بالآخر اپنے حقوق اور کھوئی ہوئی عظمت و انسانی حیثیت کی بحالی و تحفظ کی جدوجہد میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔

دنیا میں مسلم و غیر مسلم کی تفریق کے بغیر ہر فرد بشر امام حسینؑ کو اپنا رہبر آزادی و قائد حریت تسلیم کرتا ہے یہ بات بذات خود امام حسینؑ کی عظیم شہادت کے آثار میں سے ایک ہے۔ جب تک دنیا باقی ہے ان آثار کی برکات سے عالم انسانیت یقیناً" بہرہ ور ہوتا رہے گا۔

لیکن ان آثار کے باوجود جب ہم تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اموی و عباسی سلطنتوں نے تاریخ نویسی کے سلسلے میں جو حکومتی اقدامات انجام دیئے ان سے مسلمہ حقائق پر پردہ پڑ گیا اور مخصوص نظریات و مقاصد کی روشنی میں اہم ترین واقعات سپرد قلم کیے گئے لیکن حقیقت ہرگز چھپ نہیں سکتی اور حقائق کے باب میں کچھ امور ایسے بھی ہوتے ہیں جو چھپانے سے مزید آشکار ہو جاتے ہیں انہی حقائق میں ایک پہلو شہادت حسینؑ اور تاریخ کربلا سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ صحرائے کربلا جس پر اہل بیتؑ کے دشمنوں کا قبضہ تھا اور ظاہری طور پر مادی طاقت انہیں کے ہاتھوں میں تھی ایسی صورت میں حالات کی صحیح تصویر کشی ایک مشکل امر تھا لیکن خداوند عالم نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے جو کام لینا تھا

اس کے بنیادی تقاضوں کی روشنی میں یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ واقعہ کربلا کی اصل و اساس اور ہدف و مقصد کے مخفی و بے اثر ہونے کا تصور بھی خارج از امکان ہے۔ اہل عداوت نے اپنی جتنی قوت شہادت امام حسینؑ کے اصل عوامل و اسباب اور اہداف پر پردہ ڈالنے پر صرف کی اتنا ہی اس کی مثبت حیثیت اور پائیدار حقیقت برملا ہوتی چلی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک شہادت حسینؑ اور کربلا والوں کی تاریخ کے اصل حقائق کو مسخ کرنے کے لئے دشمنان اہل بیتؑ و اعدائے اسلام نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن مظلومیت کی اس منفرد داستان کے حقیقی پہلو نمایاں سے نمایاں تر ہوتے چلے گئے جس کے نتیجے میں اسی واقعہ کے حوالہ سے مظلوم قوموں کو ظالموں و جابروں پر فتح پانے کی امید لگتی ہے اور دنیا میں جہاں کہیں مظلومیت کا عنوان سامنے آتا ہے تو کربلا والوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی ایسی وجہ ہے جس سے تاریخ کربلا اور شہادت حسینؑ کے حقیقی پہلو، اہداف و مقاصد اور عوامل و اسباب چھپائے نہیں چھپتے اور کوئی طاقت ور ترین حکمران بھی شہدائے کربلا کی یاد کا چراغ گل نہیں کر سکا؟

اس کا جواب بہت واضح ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں اپنے مقدس خون سے شجر اسلام کی جس مخصوص

معصومانہ و مظلومانہ انداز میں آبیاری کی اور اپنے لہو سے اسلام و توحید اور انسانیت کو جس طرح دوام بخشا اس کی بنیادی کشش ہی ایسی ہے کہ اسے طاقت کے زور سے محو یا کم نہیں کیا جا سکتا۔

آج اسلام کا وجود شہادت حسینؑ کے زندہ و جاوید آثار میں سے ایک ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے اسلام اور تعلیمات الہیہ کے فروغ و نفاذ اور بقاء و دوام کے لئے جو قربانی پیش کی اس سے دین الٰہی کی بنیادی حقیقت واضح ہو گئی اور اب خدا خود اس پاکیزہ مقصد کے تحفظ و بقا کا ضامن ہے اس کا وعدہ ہے کہ **" انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون"** کہ "ہم نے ہی ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔ ذکر سے قرآن، اسلام اور تعلیمات الہیہ مراد ہے۔ کربلا والوں کی تاریخ دراصل اسلام کی انقلاب آفرین تاریخ کا تکمیلی پہلو ہے اس میں ایسی مقدس اور عظیم حقیقتیں پوشیدہ ہیں جو رہتی دنیا تک باقی رہیں گی کیونکہ کربلا کی تاریخ پر نظر کرنے سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت کرنے سے اس لئے انکار کیا کہ وہ (یزید) اسلام کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کرنے میں مصروف تھا چنانچہ جب امام حسین علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے بیٹے یزید کی تخت نشینی کے لئے راہ ہموار کرنے کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز کر دیا ہے تو آپؑ نے معاویہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اے معاویہ ! تو نے جس مکارانہ چال کے ساتھ یزید کی خصوصیات و

اوصاف کی تشہیر کا عزم کر رکھا ہے وہ مجھے معلوم ہے بہتر یہ ہے کہ یزید کے متعلق وہی باتیں لوگوں کو بتاؤ جو اس میں پائی جاتی ہیں یعنی اس کے کتے بازی اور کبوتر بازی کی عادات کے متعلق بتاؤ' اس کے گانے بجانے والی عورتوں سے محفل گرم کرنے کی باتیں کرو' اس کی عیاشی و بدکرداری سے پردہ اٹھاؤ' اس کی بداعمالیوں کو بے نقاب کرو تاکہ لوگ جان لیں کہ وہ کس مقام کا اہل ہے۔ یاد رکھو کہ تم نے ظلم و ناانصافی کا بازار گرم کر رکھا ہے اور تم نے اپنے آپ کو گناہوں سے اس طرح آلودہ کر لیا ہے کہ اب ان پر خاموش نہیں رہا جا سکتا۔ اب لوگوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے' اب موت کے بھیانک سائے تم پر چھا چکے ہیں"۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے حکیمانہ خطاب میں یہ بات واضح طور پر بیان کر دی کہ ظلم و استبداد اور گناہ و معصیت کے سامنے خاموش تماشائی بن کر رہنا ممکن نہیں بلکہ جہاد ناگزیر ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے مقدس قیام کی اصل بنیادوں اور اہداف کی تشہیر و تفسیر کی کہ ہم صرف اور صرف یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں ظلم و جور باقی نہ رہے اور گناہ و معصیت کے آثار صفحہ ہستی سے مٹ جائیں۔ امام حسینؑ کے اپنے اسی بیان سے خدا کے دین کی خاطر پیش کی جانے والی قربانی کے اصل مقاصد بھی نمایاں ہو جاتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ جس طرح یزید کی طرف سے بیعت کا مطالبہ بمع پیشکش دنیاوی آسائش و لذات کیا جا رہا تھا اگر امام حسین علیہ السلام کو دنیا کی عیش و عشرت بھری زندگی سے محبت ہوتی تو یزید کی حکومت کے سائے میں خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کے

لئے نہایت مناسب فضا و ماحول موجود تھا لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نواسہ رسولؐ اور جگر گوشہ علیؑ و بتولؑ تھے ان کی نگاہ میں پرچم توحید کی سربلندی اور حق و حقیقت کی بالادستی کے سوا کوئی اور ہدف اور مقصد ہی نہ تھا لہٰذا آپؑ نے اسی طریقہ عمل کو اپنایا جو آپؑ کے اسلاف طاہرین اور آباء معصومینؑ نے اختیار کیا تھا۔ امام حسینؑ نے اپنے مقدس مشن کی تکمیل کے لئے اپنا آرام و سکون، جان و مال، اولاد و اصحاب اور گھربار سب کچھ قربان کر دیا اور اس قربانی کو اپنا تخلیقی فریضہ سمجھتے ہوئے اس کے لئے پورے طور پر آمادہ ہوئے۔ مدینہ منورہ کی پاکیزہ اور نورانی فضا کو چھوڑنا امام حسین علیہ السلام کے لئے نہایت دشوار و ناگوار تھا لیکن آپؑ نے اسلام و کلمہ توحید اور انسانیت کی حفاظت کے لئے اس سے بھی دریغ نہ کیا، پھر خانہ خدا کو عین اس وقت چھوڑنا جب پوری دنیا سے لوگ وہاں فریضہ حج ادا کرنے کے لئے جمع ہو رہے تھے جو اس سے بھی زیادہ سخت مرحلہ تھا لیکن فرزند رسولؐ نے حق کی سربلندی اور مقصد توحید کی تکمیل کی خاطر احرام کو توڑنے کا عزم کیا اور حج کے اصل مقصد کو بچانے کے لئے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی۔ مکہ سے کربلا تک کے نہایت دشوار گزار اور کٹھن ترین سفر کی صعوبتوں کو برداشت کیا تاکہ اپنے مقدس مشن کو کامیابی کی آخری منزل تک پہنچا سکیں گویا امن و سکون کو چھوڑ کر مصائب و آلام کو صرف اس لئے برداشت کیا تاکہ پیغمبر اسلامؐ کی امت کو عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنے کا عملی درس دے سکیں اور ظلم و استبداد کی ناپاک بنیادوں کو ختم کر کے عدل و انصاف کا چراغ جلا کر دنیائے انسانیت کو منور کر سکیں۔

یہ وہ پاکیزہ حقائق ہیں جو شہادت امام حسین علیہ السلام اور کربلا کی تاریخ کے بنیادی پہلو، حقیقی بنیادیں اور اہداف و آثار ہیں ان کی روشنی میں آج بھی دنیا کی ستم دیدہ قومیں اپنی تقدیر کا فیصلہ خود کرنے کا سبق لیتی ہیں۔ اگر امام حسین علیہ السلام کے بتائے ہوئے رہنما اصولوں کو اپنایا جائے تو دنیا کے طاقتور ترین حکمرانوں کی آمریت کا چراغ گل کیا جا سکتا ہے۔ یہ امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے مظلوم ساتھیوں اور مخلص اعوان و انصار کے ایثار و قربانی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا میں اسلام باقی ہے اور کلمہ توحید کی آوازیں دنیا کے گوشہ گوشہ میں گونجتی نظر آتی ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے فروغ اور احکام الٰہی کے نفاذ کے لئے جو کچھ اس وقت دنیا میں ہو رہا ہے اس میں شہادت امام حسینؑ کا بنیادی دخل ہے لہٰذا یہ کہنا بے جا اور بنی بر مبالغہ نہ ہو گا کہ عصر حاضر میں اسلام کی بقاء اور پرچم توحید کی سربلندی سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اور کربلا کے مظلوم شہیدوں کی عظیم قربانی کا نتیجہ ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام کے سچے شیدائی اور توحید کے حقیقی پرستار حضرت امام حسینؑ کی یاد منانا اپنے لئے روحانی تسکین کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ہر دور میں اہل حق اپنی نجات و سعادت کے لئے شہدائے کربلا کی یاد مناتے چلے آ رہے ہیں جس سے شہادت حسینؑ کے اصل حقائق آنے والی نسلوں کے سامنے واضح تر ہوتے جا رہے ہیں اور اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ اگر نواسہ رسولؐ کی مظلومانہ شہادت کے بنیادی اہداف کو نمایاں کرتے ہوئے ان کی عملی تقلید کی جائے تو دنیا میں نہ ہی ظلم رہے گا اور نہ ہی ظالم، نہ آمریت رہے گی اور نہ ہی آمر بلکہ حقیقی معنوں میں عدل

و انصاف اور اسلام کی حکمرانی ہو گی۔ دین خدا کا چرچا ہو گا اور توحید کی روشنی سے ساری دنیائے بشریت منور ہو جائے گی۔

امام حسینؑ کی شہادت کے پاکیزہ آثار کی بدولت آج انسانیت' حریت اور عدل ودین کا اصل مفہوم ہمارے سامنے آشکار ہے اور ان آثار کا تحفظ پوری بنی نوع آدم کا فطری' اخلاقی اور انسانی فریضہ ہے۔

امام حسینؑ کیا چاہتے تھے؟

(امام حسینؑ کے قیام و جہاد کے اصل حقائق پر مدلل تحریر)

مطبوعہ

ماہنامہ الغدیر لاہور

امام حسینؑ کیا چاہتے تھے؟

(امام حسینؓ کے قیام و جہاد کے اصل حقائق پر مدلل تحریر)

واقعہ کربلا تاریخ کا وہ منفرد سانحہ ہے جس کی یاد صدیاں گزر جانے کے باوجود ہمیشہ تازہ ہے اور ہر سال دنیا بھر میں اس حوالہ سے مجالس' اجتماعات' کانفرنسیں اور دیگر پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں اور اس کے تذکرہ میں تازگی بڑھتی چلی جاتی ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ امام حسینؓ کے قیام و جہاد کے اصل حقائق سے آگاہی حاصل ہو اور اس کے مقاصد و اہداف واضح ہوں تاکہ اس واقعہ کی اہمیت اور افادیت آشکار ہو سکے۔

یوں تو ہر صاحب فکر و نظر اور اہل تحقیق اس واقعہ کی بابت اپنے مخصوص انداز و زاویہ نگاہ سے اظہار خیال کرتا ہے جس سے کبھی مثبت اور کبھی منفی نتیجہ سامنے آتا ہے لیکن اگر صحیح صورت حال معلوم کرنا مطلوب ہو

تو سب سے موزوں وہ بیانات ہیں جو خود امام حسینؑ نے مدینہ منورہ میں اور اس سے باہر نکلنے سے لے کر عصر عاشور تک دیئے۔ ان بیانات میں آپؑ نے اپنے قیام کے اصل حقائق و اہداف' پس منظر و پیش منظر اور عوام و اسباب کو ہی واضح نہیں کیا بلکہ رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کو زندگی کے بہترین اصول اور معاشرتی دستورات سے آگاہی دلائی۔

امام حسینؑ کے خطبات آپؑ کے قیام و جہاد کے آئین و منشور کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں ایک مسلمان فرد کی بنیادی ذمہ داریوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور امن و عزت کی زندگی گزارنے کا جامع لائحہ عمل دیا گیا ہے۔ ذیل میں آنجنابؑ کے ایک خطبہ کا تذکرہ کر کے اس میں مذکور مطالب کی بابت توضیح پر اکتفا کرتے ہیں جس میں آپؑ نے کم و بیش تمام پہلوؤں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یہ خطبہ "بیضہ" کے مقام پر حر بن یزید ریاحی اور ان کے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ تاریخ کے مشہور و مستند جامع طبری نے اپنی کتاب میں اس خطبہ کو اس طرح درج کیا ہے۔

قال بعد الحمد والثناء : ایها الناس ان رسول اللہؐ قال من رای سلطانا" جائرا مستحلا لحرم اللہ ناکثا عهده مخالفا" لسنة رسول اللہؐ یعمل فی عباد اللہ بالاثم والعدوان فلم یغیر علیه بفعل ولاقول کان حقا علی اللہ ان یدخله مدخله الا وان هولاء قد لزموا طاعة الحدود و استاثروا بالفی الرحمان واظهروا

الفساد وعطلوا الحدود واستاثروا بالفی واحلوا حرام اللہ وحرموا حلالہٗ وانی احق بھذالامر لقرابتی من رسول اللہؐ وقداتتنی کتبکم وقدمت علی رسلکم بیعتکم فقد اصبتم حظکم ورشدکم وانا الحسین بن علی ابن فاطمہ بنت رسول اللہؐ و نفسی مع انفسکم و ولدی مع اھالیکم واولادکم ولکم بی اسوۃ وان لم تفعلوہ ونقضتم عھدی وخلعتم بیعتی فلعمری ماھی منکم بنکر لقد فعلتموھا بابی واخی وابن عمی مسلم بن عقیل والمغرور ما اغترکم فحظکم اخطاتم ونصیبکم ضیعتم ومن نکث فانما ینکث علی نفسہ وسیغنی اللہ عنکم والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

(ترجمہ) حمد و ثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے حکمران کو دیکھے جو ظالم و ستمگر ہو' خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھتا ہو' خدا کے عہد و پیمان کو توڑتا ہو' سنت نبویؐ کا مخالف ہو اور خدا کے بندوں سے ظلم و جور روا رکھتا ہو اور اسے دیکھنے کے بعد نہ تو زبان سے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے اور نہ کوئی عملی اقدام کرے تو خداوند عالم کا حق بنتا ہے کہ ایسے شخص کا ٹھکانہ وہیں قرار دے جہاں اس حاکم کا ٹھکانہ ہو (جہنم)' یاد رکھو ان لوگوں (بنی امیہ) نے شیطان کی پیروی اپنے اوپر لازم کر لی ہے اور خدا کی اطاعت سے منحرف و

روگردان ہو گئے ہیں۔ انہوں نے زمین میں فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے' خدا کے قوانین معطل کر دیئے ہیں' خراج (اور بیت المال) کو اپنے لئے مخصوص کر دیا ہے' خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا ہے ان لوگوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا اور قیام کرنا میرا حق ہے کیونکہ مجھے رسول خدا ؐ سے قرابت کا شرف حاصل ہے' اس کے ساتھ ساتھ میرے پاس تمہارے بھیجے ہوئے خطوط موجود ہیں اور تمہارے قاصد میرے پاس تمہاری طرف سے میری بیعت کر لینے کے پیغامات لے کر آئے ہیں جن میں تم نے وعدہ کیا ہے کہ تم میرا ساتھ دو گے اور مجھے تنہا نہیں چھوڑو گے اور میری نصرت سے منہ نہیں موڑو گے' اگر تم نے میرے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا اور میری بیعت کی پاسداری کی تو اس میں تمہارا اپنا فائدہ ہے۔ میں حسینؑ، علیؑ کا فرزند اور فاطمہ زہراؑ بنت رسول اللہؐ کا لخت جگر ہوں' میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ اور میرے اہل و اولاد تمہارے اہل و اولاد کے ساتھ ہیں اور تمہیں ہر حال میں میرا شریک رہنا ہو گا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا اور جو عہد و پیمان کر چکے ہو انہیں توڑ ڈالا اور میری بیعت سے منہ موڑ لیا تو یہ تم سے غیر متوقع بات نہ ہو گی کیونکہ اس طرح کا عمل تم پہلے بھی میرے والد' میرے بھائی اور میرے چچا زاد مسلم بن عقیل کے ساتھ بھی کر چکے ہو' دھوکہ کھانے والا وہی ہے جو تم لوگوں کے دھوکہ میں آ جائے۔ تم نے اپنا فائدہ گنوا دیا' اپنے نصیب کو لات ماری' اور جس نے عہد و پیمان توڑا اس نے خود ہی نقصان اٹھایا اور

عنقریب خدا مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔

اس خطبہ میں امام حسینؑ نے اپنے قیام و جہاد کے عوامل و اسباب اور اہداف و حقائق کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے جس کے بعد کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ امامؑ نے مدینہ منورہ سے کیوں خروج کیا اور مکہ مکرمہ میں حج کا احرام عمرہ میں تبدیل کر کے کربلا کی طرف کیوں روانہ ہوئے۔ امامؑ کے اس عظیم خطبہ کی وضاحت موضوع وار کی جاتی ہے تاکہ اس کے مختلف حصوں کے بعض مطالب معلوم ہو سکیں۔

سب سے پہلے آپؑ نے حمد و ثنائے الٰہی بجالائی۔ اس سے اس بات کا کھلا ثبوت ملتا ہے کہ آپؑ بندگی خدا کے تقاضوں کی تکمیل ہر حال اور ہر مرحلہ میں کرتے تھے۔ خدا کی حمد انسان کے اظہار بندگی کی ایک پسندیدہ صورت ہے کیونکہ جو شخص خدا کی حمد و ثنا بجالائے وہ اپنے ممدوح سے محبت و عقیدت کا اظہار کرتا ہے اور ابتدائے سخن میں حمد و ثنائے پروردگار سے آپؑ نے اپنے اظہار بندگی اور خداوند عالم سے اپنی قلبی محبت و روحانی عقیدت کا ثبوت فراہم کر دیا ہے جس سے ہر اہل ایمان کو عملی طور پر ایک درس ملتا ہے کہ اپنے تمام امور کی ابتداء خالق کائنات کی حمد بجالا کر کریں۔

حمد و ثنائے الٰہی کے بعد امام حسینؑ نے حضرت پیغمبر اسلامؐ کے ایک فرمان کا ذکر کیا جس میں ظالم و ستمگر کے مقابلے میں قیام کرنے کی شرعی اسلامی ذمہ داری کو بیان کیا گیا اور کہا گیا ہے کہ جو سلطان و حکمران ظلم و جور کرے

اللہ کے حرام کئے گئے امور کو حلال قرار دے اور خدا کے عہد و پیمان کو توڑے اور سنت نبویؐ کی مخالفت کرے اور لوگوں میں گناہ و معصیت کو رواج دے اس کے خلاف زبانی اور عملی اقدام نہ کرنے والا خود مجرم اور اس حاکم کے انجام سے دور ہو گا۔ گویا حضرت پیغمبر اسلامؐ نے ہمیں ایک دستورالعمل دیا ہے جس کی بنیاد پر امت محمدیہؐ کے ہر فرد پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جہاں بھی ظلم و جور ہو اور گناہ و عصیان ہو وہاں زبانی و عملی احتجاج کرے اور معاشرے میں شریعت الہیہ اور احکام خداوندی کے نفاذ و اجراء کے لئے اپنی توانائیاں بروئے کار لائے اگر وہ ایسا نہ کرے تو گویا وہ ظالم کا حامی اور معصیت کار کا شریک عمل ہے ایسے شخص کا انجام ظالم حکمران کے انجام سے مختلف نہ ہو گا۔ حضرت پیغمبر اسلامؐ کے فرمان میں زبانی و عملی احتجاج اور نظام کی تبدیلی کے لئے اقدام کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے جو ایک نہایت اہم اور بنیادی امر ہے اس کے لئے ہر کلمہ گو کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی تمام تر کوششیں اصل امور پر مرکوز کرے یعنی خدا کے احکام کی پاسداری اور شریعت کا تحفظ' خدا کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام ہی رہنے دیا جائے اس میں کسی قسم کی تبدیلی ناقابل قبول ہے کسی کو خدا کے دستورات میں تبدیلی کا حق حاصل نہیں اور جو شخص خدا کے احکام میں اپنی مرضی سے تبدیلی کرے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے کیونکہ احکام الہی میں تبدیلی ایک شیطانی عمل ہے چنانچہ امام حسینؑ نے بنی امیہ کے حکمرانوں کی طرف سے احکام خداوندی میں تبدیلی کے عمل کی

بھرپور مذمت کرتے ہوئے اسے شیطان کی پیروی سے تعبیر کیا اور فرمایا (ان لوگوں نے شیطان کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر دیا ہے اور رحمان کی اطاعت سے منہ موڑ چکے ہیں) شیطان نے ہی سب سے پہلے حکم خداوندی کے مقابلے میں اپنی رائے کا اظہار کیا اور اپنے من گھڑت معیار کو پیش کیا لہٰذا اس طرح کے ہر کام کو شیطانی پیروی ہی کہا جائے گا جس میں خدا کے احکام میں تبدیلی کا رنگ پایا جائے' اللہ تعالیٰ کے تمام احکام مکمل طور پر لازم الاجراء ہیں اس کی اطاعت و بندگی کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اس کے حلال و حرام میں تبدیلی نہ کی جائے بنی امیہ کے حکمرانوں کی طرف سے شریعت الٰہی اور احکام خداوندی میں تبدیلی کے عمل کا تذکرہ کرنے کے بعد امام حسینؑ نے ان کے ان معاشرتی جرائم کو ذکر کیا جو امامؑ کے قیام کے اصل عوامل تھے چنانچہ آپؑ نے فرمایا "ان لوگوں نے روئے زمین پر فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے اور قوانین خداوندی کو معطل کر کے رکھ دیا ہے" ظاہر ہے کہ فتنہ و فساد کسی معاشرے کی تباہی کے بنیادی اسباب ہیں اگر حکمران طبقہ ہی ایسے اسباب فراہم کرے تو معاشرہ گناہ و معصیت سے بھر جائے گا اور امن و سکون تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔ امامؑ نے حکمرانوں کی اس روش کا ذکر قیام و جہاد کے عوامل کے طور پر کیا کہ اگر کسی معاشرے میں فساد پھیلانے والے حکمران مسند اقتدار پر قابض ہوں تو ان کے مقابلے میں قیام ضروری ہے' جس معاشرے میں خدا کے احکام نافذ نہ ہوں وہ فاسد معاشرہ کہلاتا ہے اور بنی امیہ کے حکمرانوں نے اپنے

مذموم اعمال سے معاشرے کو فسق و فجور کی جس راہ پر لگا دیا تھا اس کا تذکرہ امامؑ نے واضح الفاظ میں کر دیا اس سے تاریخ نگاروں کو مستند مواد بھی ملتا ہے کہ وہ ان حکمرانوں کی طرف سے اٹھائے گئے اقدامات کے تمام پہلوؤں اور پس منظر و پیش منظر کا جائزہ تفصیلی طور پر لیں اور آنے والی نسلوں کو ان بدکردار حاکموں کے غیر اسلامی اعمال سے آگاہ کریں کیونکہ تاریخ اقوام عالم کے کرداروں کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ امام حسینؑ نے ذاتی مفادات کے تحفظ کے مذموم عمل کا ذکر ان الفاظ میں کیا کہ ان حکمرانوں نے خراج سلطنت کو اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے گویا وہ بیت المال مسلمین کے تنہا حقدار بن چکے ہیں۔ بیت المال میں خیانت ایک ناقابل معافی جرم ہے عام طور پر اس معاشرتی جرم پر ارباب اقتدار اس طرح پردہ ڈالتے ہیں کہ عوام کو دھوکہ دے کر اپنی شخصی زندگی کو پر تعیش بنانے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور بظاہر عوام کے مفادات کے تحفظ کے دلفریب نعروں سے حکومتی تسلط کو مستحکم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ شریعت الٰہی میں مستوجب سزا عمل ہے۔ بیت المال میں تمام افراد معاشرہ مساوی حقدار ہوتے ہیں۔ امام حسینؑ نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے حکمرانوں کی طرف سے احکام خداوندی میں تبدیلی کے عمل کا ایک بار پھر تذکرہ کیا اور فرمایا کہ ان لوگوں نے خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا ہے گویا یہ لوگ اسی زمرے میں آتے ہیں جو شخص دیکھے کہ کوئی حاکم خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر رہا ہے تو

اس کا فرض ہے کہ اس کے مقابلے میں قیام کرے۔ بنابرایں بنی امیہ کے حکمرانوں نے شریعت الہیہ میں تبدیلی کی اور احکام خداوندی میں اپنی عیش پرست طبیعتوں کی شیطانی چاہتوں کو معیار قرار دیا جو کسی صورت میں بھی قابل توجیہ نہیں اور نہ ہی اس پر خاموش تماشائی بنا جا سکتا ہے اسی لئے امام حسینؑ نے اموی حکام کی ان غیر اسلامی حرکتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فوراً اپنی ذمہ داری کا ذکر کیا اور ان الفاظ میں اپنے قیام و جہاد کی حقیقت کو بیان فرمایا کہ میں ان حکام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے اور عملی اقدام کرنے کا دوسروں کی نسبت اس لئے بھی زیادہ حقدار ہوں کہ مجھے حضرت پیغمبر اسلامؐ سے قرابت کا شرف حاصل ہے اور میں کیونکہ برداشت کر سکتا ہوں کہ شریعت محمدیہؐ کو مسخ ہوتا دیکھ کر خاموش رہوں اور احکام خداوندی میں تبدیلی کے عمل پر کوئی احتجاج نہ کروں گویا امامؑ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اگرچہ یہ فریضہ تمام افراد امت پر عائد ہوتا ہے کیونکہ یہ فرمان نبویؐ ہے کہ ظالم و فاسق حکام کے خلاف جہاد کیا جائے تاہم میں آنحضرتؐ سے قرابت کے حوالہ سے اس کا زیادہ حقدار و ذمہ دار ہوں کہ ان حالات میں علم جہاد بلند کرو اور خلق خدا و امت محمدیہؐ کو گمراہ و ظالم حکام سے نجات دلاؤں کیونکہ اس صورت حال میں خاموش تماشائی بن کر یا دوسرے لفظوں میں "غیر جانبدار" ہو کر رہنا مجرم کے ساتھ شریک جرم ہونے کے مترادف ہے۔ احکام دینی میں "غیر جانبداری" بذات خود ایک گناہ و جرم ہے کیونکہ دین سب کے لئے برابر ہے اور سب

اس کے تحفظ کے ذمہ دار ہیں کسی کو خدا کے دین سے کھیلنے کا حق حاصل نہیں اور نہ ہی اس کی اجازت دی جا سکتی ہے لہٰذا امام حسینؑ نے واضح الفاظ میں اپنے قیام کی اصل بنیاد کو بیان کر دیا اس کے بعد امام حسینؑ نے اپنی بیعت کرنے والوں کو وہ خطوط اور پیغامات یاد دلائے جو انہوں نے امامؑ کو بھیجے تھے تا کہ اتمام حجت بھی ہو جائے اور اہل کوفہ کی بے وفائی و غدر کا تذکرہ تاریخ کا حصہ بن سکے۔ امام حسینؑ نے کوفہ والوں کی طرف سے اظہار حمایت اور ساتھ نہ چھوڑنے کی یاد دہانی کرانے کے بعد اپنی طرف سے ایفائے عہد کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے پہچانو اور میری پاکیزہ نسبتوں کی طرف توجہ کرو کہ میں علیؑ و فاطمہؑ کا لخت جگر ہوں وہ فاطمہؑ جو رسول خداؐ کی دختر تھیں (اور آنحضرتؐ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ فاطمہؑ کی رضا میری رضا ہے' جس نے فاطمہؑ کو رنج دیا اس نے مجھے رنج دیا) میں تمہارے لئے نمونہ عمل ہوں اگر تم نے اپنے عہد کی وفا نہ کی اور میرے ساتھ کی ہوئی بیعت کو توڑ دیا تو یہ بات تمہاری طرف سے میرے لئے غیر متوقع اس لئے نہیں ہو گی کہ تمہارے بڑوں نے میرے بڑوں کے ساتھ بھی تو یہی سلوک کیا تھا۔ امام حسینؑ نے تاریخ کی تلخ حقیقتوں سے پردہ اٹھایا اور اموی حکمرانوں کی طرف سے خاندان نبوت و رسالت کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا تھا اس کو بیان کر دیا۔ اپنے پدر بزرگوار' برادر بزرگوار اور چچا زاد مسلم بن عقیل کے ساتھ حکمرانوں کے مذموم برتاؤ کی تاریخ کے صفحات الٹ دیئے' لیکن ان تمام مطالب میں جو

اہم بات ملحوظ تھی وہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ بنی امیہ کے حکمرانوں نے ہمیشہ حق و حقیقت کی مخالفت کی اور طاقت و اقتدار کے زور پر اہل بیتؑ سے عداوت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی اس کے بعد امام حسینؑ نے ایک مقدس دستورالعمل اور معاشرتی اصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عہد شکنی کے مذموم فعل کے آثار کا ذکر ان لفظوں میں فرمایا کہ جو شخص عہد شکنی کرے وہ اس کے اپنے لئے نقصان دہ ثابت ہو گا۔

امام حسینؑ نے اپنے اس جامع بیان میں جہاں تاریخ کے پس منظر اور حکمرانوں کی ستم کاریوں اور باطل نوازیوں کا تذکرہ کیا وہاں اپنے قیام و جہاد کے عوامل و اسباب اور اہداف کو بھی بیان کر دیا کہ میں خدا کے دین شریعت محمدیہؐ اور احکام خداوندی کے تحفظ و پاسداری کی بابت اپنے فریضہ کی ادائیگی سے ہرگز غفلت نہیں کر سکتا میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ خدا کے احکام میں کوئی تبدیلی نہ لائی جائے بلکہ جس چیز کو خدا نے حلال کر دیا ہے اسے قیامت تک حلال ہی سمجھا جائے اور جسے خدا نے حرام کر دیا ہے اسے قیامت تک حرام ہی سمجھا جائے جو کہ اصل تقاضائے بندگی ہے اور پھر اگر حکمران طبقہ معاشرے میں فتنہ و فساد اور فسق و فجور کی روک تھام کرنے کی بجائے خود اس کے پھیلاؤ کا مرتکب ہو اور لوگوں پر ظلم و جور کر کے اپنے ناجائز اقتدار کو طول دینے کی کوشش کرے تو افراد معاشرہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے میدان عمل میں کود پڑیں زبانی اور عملی طور پر احتجاج کریں اور خدا کے دین

کی حفاظت میں کسی بھی اقدام سے گریز نہ کریں لیکن اگر کوئی شخص اپنی اس ذمہ داری کو پورا نہیں کرتا اور اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ ظالم حکمران اور جابر و آمر سلطان کا شریک جرم ہو گا۔

معاشرے میں عدل و امن کا قیام ہی اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے اگر کسی معاشرے میں انصاف کی حکم فرمائی نہیں اور امن قائم نہیں وہ معاشرہ صحیح و سالم اور تندرست نہیں کہلا سکتا ایسے معاشرے کو استحکام حاصل نہیں ہو سکتا۔ معاشرے میں عدل و امن کے قیام کے لئے کسی ایک فرد یا گروہ نہیں بلکہ تمام افراد معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ظلم کی بیخ کنی کے لئے تمام ممکنہ وسائل استعمال کریں افرادی قوت سے استفادہ کریں اور انصاف کے قیام تک جدوجہد جاری رکھیں۔ امام حسینؑ کا قیام جن مقدس اصولوں کی حکمرانی اور پاکیزہ احکام کے نفاذ و اجراء کی غرض سے تھا وہ قرآن مجید اور سنت نبویؐ کی اصل و اساس ہیں دوسرے لفظوں میں یہ کہ امام حسینؑ یہ چاہتے تھے کہ معاشرے میں قرآنی دستورات اور سنت نبویؐ نافذ ہو اور اس کے علاوہ کسی بھی قانون اور آئین کی کوئی حیثیت نہیں اور جن حکمرانوں نے قرآن مجید اور سنت نبویؐ سے منہ موڑ کر اپنی مرضی اور چاہت طبع کے مطابق احکام الٰہی میں تبدیلی کرنی چاہی ان کی مذمت اور ان کے خلاف قیام کر کے نظام مملکت میں اسلامی تبدیلی لانے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

امام حسینؑ نے معاشرے کی اعلیٰ اقدار کی بنیاد صرف اور صرف

دستورات خداوندی کو قرار دیا کہ جن کا اجراء اسلامی حکمران کا اولین و بنیادی فریضہ ہے اور ان اقدار کے تحفظ میں کوتاہی ہرگز روا نہیں کیونکہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات ہی معاشرے کی صلاح و بہتری کی ضامن ہیں جہاں تک امام حسینؑ کے اپنے قیام کا تعلق ہے تو اس کی بابت آپؑ نے واضح الفاظ میں فرما دیا کہ میں حضرت پیغمبر اسلامؐ سے قرابت کے حوالہ سے اس سلسلے میں دوسروں کی نسبت زیادہ حقدار و ذمہ دار ہوں یقیناً جس مقدس آغوش میں امام حسینؑ نے پرورش پائی اور پاکیزہ گھرانے میں آنکھ کھولی اس کی عظمت اس بات کی متقاضی تھی کہ آپؑ یزید جیسے فاسق و فاجر اور آغوش آمریت کے پروردہ حکمران کے سامنے اعلائے کلمہ حق اور شریعت محمدیہؐ کے تحفظ کے لئے ڈٹ جائیں اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو ایک ایسا لائحہ عمل دے دیں جس سے حریت و آزادی اور عزت و استقلال کا تحفظ یقینی ہو جائے۔

امام حسینؑ درحقیقت اس کے سوا کچھ نہ چاہتے تھے کہ معاشرہ میں ہر شخص کو اس کے تمام مسلمہ فطری و عقیدتی حقوق حاصل ہوں اور کسی کو کسی کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کی جرات نہ ہو۔ اس مقصد کے لئے نواسہ رسولؐ جگر گوشہ علیؑ و بتولؑ حضرت امام حسینؑ نے قیام کیا اور دین کے تحفظ و شریعت الہیہ کی پاسداری میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا مگر خدا کے احکام میں تبدیلی پر خاموش تماشائی بننا ہرگز گوارا نہ کیا۔

امام حسینؑ صرف اور صرف یہ چاہتے تھے کہ خلق پر خالق کی حاکمیت

ہو قرآن اعلیٰ ترین اور بنیادی دستور کے طور پر معاشرے میں نافذ ہو اور سنت نبویؐ و سیرت معصومینؑ کو اپنایا جائے تا کہ بنی نوع آدم اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں امن و سکون اور عدل و انصاف کے ساتھ اپنے فرائض کی ادائیگی اور حقوق کا تحفظ کر سکیں۔ آج بھی دنیا بھر میں امام حسینؑ کی یاد منانے اور آپؑ کا تذکرہ کرنے میں جو تازگی دیکھی جاتی ہے وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہر قوم اپنے حقوق کی پاسداری اور معاشرے میں قیام عدل و امن کی بابت امام حسینؑ کو اپنا رہبر تسلیم کرتی ہے اور آپؑ کے بتائے ہوئے رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنے جدوجہد کی کامیابی پر یقین رکھتی ہے۔ سچ ہے۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو ہر قوم پکارے گی ہمارا ہے حسینؑ

صدائے خون

مطبوعہ

روزنامہ مشرق لاہور

روزنامہ نوائے وقت لاہور

روزنامہ جنگ لندن

صدائے خون

اگرچہ دنیائے امکان میں ان گنت انقلاب آئے' سلطنتیں زیرو زبر ہوئیں' تخت و تاج ہوا میں اڑے مگر حوادث روزگار کی تندو تیز آندھیوں نے تغیرات زمانہ کو ایوان فراموشی کے سپرد کر دیا اور اب وہ داستانیں گزرے ہوئے ادوار کے نہایت معمولی اور ناقابل ذکر واقعات بن کر کبھی نہ پڑھی جانے والی کتابوں کا حصہ بن گئی ہیں۔

لیکن 61 ہجری کی صبح عاشور سے لے کر عصر تک صحرائے کربلا میں گونجنے والی صدائے خون آج بھی زندہ ضمیر لوگوں کے خون کو گرما کر انسانیت کی گردن پر چھری چلانے والے درندہ صفت انسان نما حکمرانوں کی

عشرت پسند طبیعتوں اور ستم شعار مزاجوں سے ٹکرا رہی ہے۔

وہ آواز ایوان تاریخ میں آج بھی اسی قوت و شدت اور عظمت کے ساتھ گونج رہی ہے جو اسے ریگزار نینوا میں حاصل تھی۔

وہ آواز کربلا کے مظلوم شہیدوں کے نماز گزار اور روزہ شعار جسموں سے بہنے والے لہو کی آواز ہے۔ اسے بنی امیہ کی مطلق العنان سلطنتیں دبا سکیں اور نہ ہی بنی عباس کی طاقتور حکومتیں اس کی معنویت کے فروغ کا راستہ روکنے میں کامیاب ہو سکیں۔

وہ صدائے خون کہ جسے نقارۂ حقیقت اور نغمۂ فطرت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اس کی انقلاب آفرین تاثیر کا یہ عالم ہے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی آغوش آمریت میں پلنے والے ناپاک عناصر اپنی غیر معمولی قوت اور وسعت آمیز حاکمیت کے باوجود اس کی ایک "گونج" سے لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔

دکھی انسانیت کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دینے کے خواب دیکھنے والوں کے لئے وہ "آواز" ہر بڑی سے بڑی طاقت اور سنگین سے سنگین تر طوفان سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس آواز میں نہ صرف آمریت اور ناروا سلطنت کی شیطانی بنیادوں کو متزلزل کر دینے والی ناقابل تسخیر قوت ہے بلکہ مظلوم و محروم اور ستمدیدہ و اندوہگیں افراد کو طوق اسارت سے نجات دلانے کی پاکیزہ نوید کے ساتھ ساتھ خدا کی زمین میں خدا کی مخلوق پر خدا کی

حاکمیت کے حقیقی تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میدان جہاد میں کود جانے کا درس بھی ہے۔

اس میں حقیقت شعار شعور بھی ہے اور شعور بخش شعار بھی'
آدمیت نواز گونج بھی ہے اور آمریت کش پکار بھی'
سعادت کیش پیام بھی ہے اور حقیقت بخش نظام بھی'
قرآن کی حکیمانہ تعلیمات کا عکس بھی ہے اور اسلام کی لازوال حقیقت کا پرتو بھی۔
عشق الٰہی کا جذبہ بیدار بھی ہے اور جذبہ جہاد کا حسن پائیدار بھی
اور دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس مقدس و پاکیزہ آواز میں فطرت کی پاکیزہ قدروں کے تحفظ کی ضمانت بھی ہے اور توحید کی انسانیت نواز و آدمیت ساز رفعتوں کی پاسداری کی امید بھی'
اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اس میں فرزند رسولؐ جگر گوشہ علیؑ و بتولؑ یعنی امام حسین علیہ السلام کا عزم و ثبات بھی ہے اور شیر بیشہ کربلا علمدار نینوا عباسؑ نامدار کی وفا بھی'
کڑیل جوان علی اکبرؑ کے شباب کا جذبہ بھی ہے اور ننھے شیر خوار علی اصغرؑ کے معنی خیز تبسم کی انقلاب آفرین قوت بھی'
عونؑ و محمدؑ کے کمزور و ناتواں لاشوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے بہنے والے لہو کی گرمی بھی ہے اور قاسمؑ بن حسنؑ کی پاکیزہ تمناؤں کی

صالحانہ کشش بھی!

اور صرف یہی نہیں بلکہ اس محبت بھری آواز میں حبیب بن مظاہر کے حقیقی عشق اور محبت کی حقیقت شعار تاثیر بھی ہے اور حضرت مسلمؑ بن عوسجہ کے عزم راسخ کا قابل تقلید انداز بھی!

اس میں سفیر حسینؑ حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کے امانت شعار مزاج تقدس کی پاکیزہ خوشبوؔ بھی ہے اور طفلان مسلمؑ کی مظلومانہ صداؤں کے زلزلہ آفریں اشارے بھی'

اور مختصر یہ کہ وہ "خون" کی آواز ہے۔ اس خون کی آواز کہ جو کسی جرم و خطا کے بغیر سرزمین کربلا پر بہایا گیا۔

اس خون کی آواز ہے جو حق کی حمایت اور انسانیت کی پاسداری کی خاطر پیش کیا گیا۔

وہ خون جس میں ظالم سے نفرت اور مظلوم سے محبت کا پاکیزہ درس ہے۔

وہ خون جس کے بہنے کی گواہی کے لئے اپنے باپ کی زینت بیٹی کربلا کی شیردل خاتون زینب کبریٰ علیہا السلام کی قوت قلب' زین العابدینؑ بیمار کربلا کی عصمت شعار اور اشکبار آنکھوں اور ننھی معصوم سکینہؑ بنت الحسینؑ کے دھڑکتے دل کو منتخب کیا گیا۔

وہ آواز کیونکر دبائی جا سکتی ہے جس کے معنویت شعار مزاج کا

مقدس سلسلہ ابوالبشر آدمؑ سے خاتم الانبیاء ﷺ تک تمام انبیاءؑ الٰہی کے ہدایت نواز پیام و نظام سے ملتا ہو۔ چنانچہ اس حقیقت کی طرف اس وقت متوجہ کیا گیا جب امام حریت حسینؑ بن علیؑ سے بیعت کا مطالبہ ہوا تو آپؑ نے "حسین بن علی" کی "یزید بن معاویہ" کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی بابت اپنے انکار کو اس طرح بیان فرمایا:

"**مثلی لا یبایع مثلہ**" مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت ہرگز نہیں کر سکتا۔

امام حسینؑ نے اپنے اس عظیم' حکیمانہ اور نہایت معنی خیز جملے میں تاریخ کربلا اور اس کے مقدس اہداف و مقاصد کو نہ صرف واضح کیا بلکہ رہتی دنیا تک کائنات انسانی کے لئے ایک ایسی راہ کی نشاندہی کر دی کہ حق پسند افکار اور حقیقت شعار مزاج نہ تو کسی ظالم و ستمگر کے کاخ استبداد کا طواف کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی آمر آمریت کے خنجر سے آدمیت کی حسین و دلربا حقیقت کے معصوم بدن کو پارہ پارہ کر سکتا ہے۔

امامؑ نے اپنے اس جملے میں ابتدائے آفرینش بشر سے لے کر قیامت کی صبح طلوع ہونے تک رونما ہونے والے معرکہ حق و باطل کی تاریخ کے پس منظر کو بیان کر دیا یا یہ کہ ایک ایسی تاریخ اور عہد کی بنیاد رکھ دی جس میں دو نظریے' دو عقیدے' دو قوتیں اور دو زاویہ ہائے نگاہ کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہے یعنی حق و باطل' حقیقت و مجاز' سچ اور جھوٹ' آدمیت

و آمریت، عدل و ظلم، وفا و جفا، نور و ظلمت، علم و جہل، ایمان و انکار اور اچھائی و برائی کا آپس میں ٹکراؤ ہے۔ جسے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے مدمقابل کے تقاضوں کو پورا کر لے تو وہ اپنی حقیقی اور بنیادی حیثیت کھو بیٹھے گا اور اسکا وجودی تشخص ختم ہو کر رہ جائے گا کیونکہ ان تمام امور میں تقابلی معیار حکم فرما ہے یعنی ان میں سے پہلا عنصر وجودی جبکہ دوسرے میں عدم کی جہت پائی جاتی ہے مثلاً حق اور باطل کے درمیان تقابلی جائزہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حق ایک وجودی قوت ہے جس کا فقدان باطل کہلاتا ہے جو کہ اس کا عدمی پہلو ہے۔ اگر علمی و فلسفی اصولوں اور زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھا جائے تو حق کی کوئی جہت بھی باطل سے ہم آہنگ و ہم رنگ نہیں ہو سکتی کیونکہ وجود و عدم کا امتزاج عقلی طور پر کسی ایک جہت میں ممکن نہیں۔ یہی صورت حال علم و جہل کی ہے کہ علم ایک وجودی حیثیت کا حامل ہے جبکہ جہالت علم کے فقدان کا دوسرا نام ہے جس میں کوئی وجودی پہلو قابل تصور نہیں لہٰذا جہاں علم کی حقیقت ملحوظ ہو گی وہاں جہل کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی اصول کے آئینے میں ہم جب کربلا کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس واقعہ میں وجود و عدم اور وجدان و فقدان کا تقابل تھا جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔

"مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا"۔

یہ الفاظ درحقیقت امامؑ کے عصمت شعار علم کی پاکیزہ حقیقت کے ترجمان ہیں۔ اسی حقیقت سے انسانیت کی تاریخ کے بنیادی پہلو نمایاں ہوتے ہیں اور اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ امامؑ کربلا میں ایک فرد نہیں بلکہ ایک نظریہ کی حیثیت رکھتے تھے اور ایک "شخص" نہیں بلکہ ایک "شخصیت" تھے۔

بلکہ اس سے بالاتر یوں کہا جا سکتا ہے کہ صرف ایک حقیقت نہیں بلکہ کئی حقیقتوں کا ایک مجموعہ بن چکے تھے اور "حق" بن کر "ناحق" کا مقابلہ کر رہے تھے۔

آدمؑ کے وارث بن کر ابلیس کی نخوت کا قلع قمع کر رہے تھے۔

نوحؑ کے حقیقی ورثہ دار بن کر طوفان بلا سے ٹکرا رہے تھے۔

ابراہیمؑ کی عظمت کے پاسبان کے طور پر نمرود کی مادی قوت کا بت پاش پاش کرنے میں مصروف تھے۔

موسیٰؑ بن کر فرعون وقت کو تخت و تاج سمیت دریائے ہلاکت کی طوفانی موجوں کے سپرد کر رہے تھے۔

عیسیٰؑ کے روپ میں زہد و تقویٰ کی پاکیزہ تصویر بن کر زبان دراز عناصر کی بے بنیاد الزام تراشیوں کی قلعی کھول کر حق و صداقت کا پرچم بلند کر رہے تھے۔

اور بالآخر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار کے آئینہ دار بن

کر ابولہب کی مکاری اور اپنے دور کے ابوجہل کی عیاری کو بے نقاب کر کے اپنے مقدس مشن کی عظمتوں کا لوہا منوا رہے تھے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ امام حسینؑ کربلا میں توحید کی سچائی اور ایمان کی پختگی و حقانیت کا عملی ثبوت فراہم کر رہے تھے۔ امانت دار نبیؐ کے دیانت نواز نواسے نے توحید کی عظمت کی پاکیزہ روشنی سے دنیائے بشریت کے در و بام روشن کر دیئے۔

حسینؑ نے اپنے مقدس مشن کی تکمیل کے لئے اپنے پاکیزہ خون سے شجر اسلام کی اس طرح سے آبیاری کی جس سے زندگیء جاوید کی لطیف حقیقت سے بہرہ ور ہونے والوں کو توحید کے سایہ میں حیات ابدی کے حصول کی امید پوری ہوتی نظر آتی ہے۔

خون حسینؑ کی ابدیت نواز اور عصمت شعار صدا اپنے دامن میں پاکیزہ حقیقتوں کے عظیم گوہر چھپائے ہوئے ہے۔ اسی لئے آمریت کی آغوش میں پلنے والے یزیدان عصر خون حسینؑ کی کفر شکن صدا کو ملوکیت کی ناپائیدار و زوال آشنا قوت سے دبا نہیں سکتے اور نہ ہی ظلم و استبداد کے سائے میں پروان چڑھنے والے حکمران۔ مظلوم کربلا کی طاغوت شکن صدائے خون کی انقلاب آفرین تاثیر کا راستہ روک سکتے ہیں کیونکہ

یہ اس لہو کی آواز ہے جس میں حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم، شیر خداؑ کی شجاعت اور فاطمہ زہراؑ کی عصمت کو اجزاء ترکیبی کی حیثیت

حاصل ہے۔ چنانچہ تاریخ اس امر کی واضح گواہی دیتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے جب مدینہ منورہ سے ہجرت کا عزم کیا تو جناب عبداللہ بن عباس سے فرمایا کہ۔

"یہ لوگ جو کہ اسلام کے دعویدار اور اپنے آپ کو قرآن کے پاسدار سمجھتے ہیں ان کا عمل یہ ہے کہ جس رسولؐ نے انہیں انسانیت کے کمال کی عظیم منزل تک پہنچایا اور انہیں بندوں کی بندگی سے نجات دلا کر عزت و شرف عطا کیا اس کے نواسہ پر عرصہ حیات تنگ کر رہے ہیں اور اسے اپنے جد امجد کے نورانی شہر مدینہ کی پاکیزہ فضا سے لطف اندوز ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے نواسہ رسولؐ کو قتل کرنے کی ٹھان لی ہے جبکہ یہ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ نواسہ رسولؐ نے اپنی زندگی میں نہ کبھی کوئی ایسا کام کیا ہے جو معبود حقیقی کے ساتھ شرک کا موجب بنے اور نہ ہی گناہ و معصیت اور خالق کی نافرمانی کرتے ہوئے کسی ایسے عمل کا ارتکاب کیا ہے جو ارباب عقل و خرد کے نزدیک "برائی" سے تعبیر کیا جاتا ہو"۔

امام حسینؑ نے اپنے ان الفاظ میں اس بات کو واضح طور پر بیان کر دیا کہ توحید کی پاکیزہ حقیقتوں سے کس قدر پیار کرتے ہیں اور عظمت کردگار کی حسین و دلربا حقیقت سے محبت و لگاؤ کا جذبہ کس حد تک ان کی رگ جاں میں نہاں ہے۔

ظاہر ہے کہ جناب ابن عباس جیسی مقتدر شخصیت کے سامنے امام حسین علیہ السلام کا اتنی صراحت و وضاحت کے ساتھ اس امر کا اعلان و اظہار کرنا اور نہایت واضح الفاظ میں یہ دعوئی کرنا کہ ان کی حیات فکر و عمل کے کسی پہلو میں اپنے خالق کے ساتھ کسی کو شریک عبادت قرار دینا قابل تصور ہی نہیں بلکہ بجائے خود ایک ایسا امر ہے کہ جو امام علیہ السلام کے مقدس قیام کی اصل و اساس کو آشکار کر دیتا ہے۔ جس امامؑ کی زندگی اس قدر پاکیزہ ہو کہ شرک و معصیت اور گناہ و عصیان کا ذرہ بھی اس میں نہ پایا جائے وہ عصمت شعار مزاج انسانی معاشرے میں اخلاقی پستیوں' اعتقادی خامیوں اور فکری و عملی انحراف و کجروی کے بڑھتے ہوئے رجحان پر کیونکر خاموش رہ سکتا ہے۔

امام حسینؑ کی عظمت بیان اور شوکت گفتار کا یہ عالم تھا کہ جب یزید ملعون کے باپ معاویہ بن ابی سفیان نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے تخت و تاج سلطنت کو اہل حق و حقیقت کے ہاتھوں میں چلے جانے کا تصور کیا تو اپنے لمحات آخر سے پہلے اس کا تدارک کرنے کی ٹھان لی چنانچہ اپنے مضبوط اقتدار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے بیٹے "یزید" کو ولی عہد کے طور پر متعارف کروایا اور لوگوں کو اس کے لئے خلیفۃ المسلمین کے طور پر بیعت کرنے کی تاکید کی۔ جب بیعت یزید کی مہم زور پکڑنے لگی تو فرزند رسولؐ امام حسین علیہ السلام نے حالات کا جائزہ لیا اور حالات کے اثار

چڑھاؤ کا مطالعہ کیا اور اس بات کو بھانپ گئے کہ اگر آج اپنی شرعی حجت کو پورا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی برتی تو یہ لوگ خاموش رہنے کو "رضایت" کا نام دے کر اپنے ناجائز مقاصد کی تکمیل کا راستہ ہموار کرلیں گے۔ لہٰذا امامؑ نے معاویہ کے نام اپنے ایک خط میں اپنا موقف اور یزید کے متعلق اصل حقائق کو آشکار کر دیا۔ آپؑ نے معاویہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے معاویہ! تم نے جس مخصوص انداز میں یزید کی خلافت کے لئے راہ ہموار کرنے کا عزم کر رکھا ہے اور لوگوں کو اس کے فضائل و مناقب اور سیرت و کردار کی پاکیزگی کے قصے سنا رہے ہو اس کے پس منظر سے میں اچھی طرح آگاہ ہوں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ یزید کے متعلق وہی کچھ لوگوں کو بتاؤ جو اس میں پایا جاتا ہے۔ اس کی کتے بازی اور کبوتر بازی کی عادات کا ذکر کرو۔ اس کے گانے بجانے والی عورتوں سے محفل رقص و سرور گرم کرنے کی باتیں کرو۔ اس کی عیاشی و بدکرداری سے پردہ اٹھاؤ۔ اس کی بداعمالیوں کو بے نقاب کرو تاکہ لوگ جان لیں کہ وہ کس مقام و منزلت کے لائق و سزاوار ہے۔ یاد رکھو کہ تم یزید کے لئے جو کچھ کر رہے ہو اس سے تمہاری زندگی کا دامن داغدار ہو رہا ہے اور تم اپنے آپ کو ایک بہت بڑے گناہ میں آلودہ کر رہے ہو لیکن اس صورت حال میں میں کیونکر خاموش رہ سکتا ہوں۔ اب پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ موت کے بھیانک سائے تم پر چھا چکے ہیں۔ اس مادی دنیا کے حسن ناپائیدار سے دل

لگانے کی بجائے اب اپنی آخرت کے لئے کچھ سوچو اور اچھا زاد راہ مہیا کرنے کی کوشش کرو"۔

امامؑ نے اپنے اس شجاعانہ و حکیمانہ بیان میں یہ بات واضح کر دی کہ ظلم و استبداد اور گناہ و معصیت کے سامنے خاموش نہیں رہا جا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر نواسہ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کو دنیا کی مادی و فنا پذیر عیش و عشرت سے محبت ہوتی اور دنیاوی زندگی کی لذتوں اور آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کی خواہش ہوتی تو یزید کی حکومت کے سائے میں خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے بہتر مواقع موجود تھے لیکن آغوش عصمت کے پروردہ حسینؑ نے :

اپنے کردار کی قوت سے کاخ عشرت کے در و دیوار ہلا دیئے۔

دنیا کے حسن و جمال پر مرمٹنے والے معصیت شعار لوگوں کو حیات جاودان کی پاکیزہ محبت کے ابدیت نواز آثار سے روشناس کرایا۔

گلستان معرفت کے روح پرور ماحول کی پاکیزہ خوشبو سے جہان فکر و نظر کو معطر کرنے کا سلیقہ بتایا۔

تاریخ کے مزاج پر آمریت کے پہرے لگانے والوں کو ضمیر فروشی کے خوفناک نتائج بھگتنے کی خبر دی۔

زبان سے اقرار توحید کر کے دل کے ایوان میں عشق بتاں کا چراغ جلانے والوں کو نفاق کے ناپاک اثر سے آگاہ کیا۔

عہد اسلام میں زمانہ جاہلیت کی جہالت نواز رسموں کو عام کرنے والے ارباب اقتدار کے غلامانہ ضمیر کو جھنجوڑا۔

قرآن کی انسان ساز تعلیمات کو جہالت کے پاؤں تلے روند دینے والوں کو شیطان کی فریب کاریوں کے خطرناک اور تباہ کن نتائج و آثار سے خبردار کیا۔

مادی زندگی کے جمال ناپائیدار سے دل لگانے کے تصور کو اذہان و افکار سے نکال کر غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے عاشقان مجاز کو حقیقت سے پیار کرنے کا درس دیتے ہوئے حریت و آزادی کے حصول کی ترغیب دلائی۔

یہی وجہ ہے کہ جب یزید کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے غفلت شعار انسانوں کی بڑھتی ہوئی ناپاک حرکتوں اور جسارتوں کو دیکھا تو نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی حالت زار پر رحم کھاتے ہوئے انہیں حسن حقیقت کی پاسداری کا پاکیزہ درس ان الفاظ میں دیا۔

ان لم یکن لکم دین ولا تخافون المعاد فکونوا احرارا فی دنیاکم یعنی "اگر تم اپنے آپ کو کسی دین و آئین کا پابند نہیں سمجھتے اور تمہارے دلوں میں قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے کی بابت کسی قسم کا خوف نہیں پایا جاتا تو کم از کم اپنے حال پر رحم کھاتے ہوئے اپنی اس مادی دنیا ہی میں حریت و آزادی کی زندگی بسر کرو"۔

امام حسینؑ نے اپنے اس ہدایت آمیز جملے میں جس پاکیزہ اور منفرد انداز میں درس حریت دیا اس کا اندازہ اہل فکر و نظر اور ارباب بصیرت و دانش ہی کر سکتے ہیں۔ امامؑ کے اس جملے میں حقائق کی ایک وسیع کائنات پوشیدہ ہے۔ اگر اس جملے کے ابتدائی و آخری الفاظ کی ترتیب پہ غور کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ حضرت سید الشہداءؑ نے امت محمدیہؐ کو حریت و آزادی دلانے کے لئے وہ تمام راستے اختیار کئے جو عالم امکان میں قابل تصور ہیں۔ ہر قسم کے دین و آئین کی پابندی سے بے نیازی کا ذکر اس لئے کیا کہ یزید کے دھوکہ میں آئے ہوئے لوگ اپنے آپ کو دین اسلام کا حقیقی پیروکار سمجھے ہوئے تھے جبکہ ان کا عمل رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات اور سیرت و سنت کے سراسر منافی تھا اور اس کے علاوہ جس ظلم و بربریت کو ان لوگوں نے اپنا شعار بنا لیا تھا اس کی اجازت دین اسلام تو کیا کسی بھی دین و آئین میں روا نہیں۔ گویا امام حسین علیہ السلام نے ان لوگوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات کی طرف متوجہ کر کے یہ درس عمل دیا کہ جس دین و آئین کی پاکیزہ تعلیمات کی مقدس حقیقت پر ایمان رکھنے کا تم دعویٰ کرتے ہو اس میں انسانی قدروں کو اجاگر کرنے کے لئے عملی طور پر توثیق و تصدیق کی تاکید کی گئی ہے اور اگر کسی کا عمل اس کے عقیدہ کی بنیادوں کو متزلزل کر دینے کا سبب بنتا ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے آپ کو اس دین سے منسوب کرے اور پھر یہ کہ

جو لوگ بندوں کی بندگی کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہوں وہ اپنی تخلیقی اقدار کی پاسداری کا مقدس فریضہ کیونکر ادا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ زندگی کی حقیقی عظمت اور پاکیزہ رفعت کا اظہار بھی امام حسین علیہ السلام نے کر دیا تاکہ دنیا کی رنگینیوں سے متاثر ہونے والے کسی ابہام کا شکار ہو کر مجاز کو حقیقت نہ سمجھنے لگیں۔ اس لئے امام علیہ السلام نے حقیقی زندگی کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

ان الحیاۃ عقیدۃ و جھاد "حقیقی زندگی دو بنیادوں پر استوار ہے ایک عقیدہ اور دوسرا جہاد"۔

عقیدہ و جہاد کے امتزاج سے زندگی کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ اگر اعتقاد کی دنیا حقیقت پسندی کی نورانی قندیلوں سے مزین نہ ہو تو انحراف و کج روی کے فروغ کا راستہ نہیں روکا جا سکتا اور جب "سیدھی راہ" سے منحرف ہو کر بشری قوتوں سے استفادہ کیا جائے تو منزل مقصود تک پہنچنے اور مطلوب فطرت کے حصول کی امید کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔

انسان اپنے آپ کو جس عقیدے کے ساتھ وابستہ کرلے تو اس کی تکمیل کے بنیادی تقاضوں کا پاس کرنا لازمی امر قرار پاتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ عقیدے کی بنیاد فطرت سلیمہ کے مقدس اصولوں پر استوار ہو اور اگر ایسا ہو جائے تو پھر دوسری منزل یعنی جہاد بھی آسان ہو جائے گا کیونکہ جہاد سے مراد میدان کارزار میں تیغ و تلوار کی قوت دکھانا ہی نہیں بلکہ مقصد یہ

ہے کہ عقیدے کی پختہ بنیادوں کے تحفظ کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی جائے اور اس "جدوجہد" کے دائرۂ کار کو کسی ایک پہلو میں محدود نہیں کیا جا سکتا بلکہ ہر وہ جہت جو عقیدہ کے حسن و جمال کو زوال و ناپائیداری سے ہم آہنگ کرے اس میں فطری قوتوں کا مظاہرہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اسی کو "جہاد" سے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ عقیدے کی سرحدوں کو پھلانگ کر حقیقت کے حسین چہرے پر پردہ ڈالنے کی مذموم کوشش کرنے والوں کا پوری قوت قلب اور پختگی ارادہ کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکے اور عرصہ کارزار میں شمشیر زن ہونا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے بشرطیکہ مبداء و منتہا عقیدۂ فطرت کی پاسداری کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔

اس مقام پر یہ امر بھی کسی مزید وضاحت کا محتاج نہیں کہ عقیدہ کی صحت اور پختگی جہاد و عمل کے صحیح اور پائیدار ہونے کی ضمانت ہوا کرتی ہے کیونکہ عقیدہ کہ جس کا تعلق دل کی گہرائیوں سے ہے اپنے اندر ایسی کشش اور قوت جاذبہ رکھتا ہے کہ اپنے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ہر طاقت کو اپنی طرف کھینچ کر اسے جذبات کی دنیا میں پائے جانے والے حقیقت شعار ماحول سے ہم آہنگ بنا دیتا ہے جس کے بعد کسی اور محرک کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے حقیقی و پاکیزہ معنوی زندگی کی جن مقدس بنیادوں کا ذکر فرمایا ہے ان کے امتزاج سے مجازی دنیا کے عوامل خود

بخود بے اثر ہو جاتے ہیں اور حقیقت اپنے پرکشش جمال کے ساتھ اظہار وجود کرتی ہے۔

یہ ہے وہ درس جو شعور کی دنیا کو حقیقت شعار بنانے کے لئے تاریخ انسانیت کی کردار ساز شخصیت حضرت امام حسین علیہ السلام نے رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کو دیا۔

یہ ہے وہ درس زندگی جس کی پاکیزگی کا نقارہ جہان آدمیت کو حقیقی عظمتوں سے بہرہ ور کرنے کے لئے آج بھی ایوان تاریخ میں گونج رہا ہے تاکہ فطرت کے پاکیزہ معیار کی صحیح پہچان ہو سکے۔

جو درس زندگی امام حسین علیہ السلام نے سرزمین کربلا پر دیا وہ فطرت کی اعلیٰ قدروں کی پاسداری کا ضامن ہے اور اس پر عمل کرنا انسانیت کی معراج ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے جو درس زندگی دیا وہ اس صدائے خون سے عبارت ہے جو کاخ آمریت کے فلک بوس میناروں سے ٹکراتی ہوئی مظلومیت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی انسانیت کی معصوم گردن پر تیغ استبداد چلانے والے حکمرانوں کے آہنی دلوں کو ہلا کر انہیں حق پسندی اور حقیقت پرستی کی دعوت دے رہی ہے۔

امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے بہتر ساتھیوں کے پاکیزہ اور بے گناہ لہو سے حیات جلووں کا جو پاکیزہ درس ہمیں ملتا ہے اس میں معرفت

پروردگار کی نورانیت نے لے کر سعادت ابدی کی معنویت کے حصول تک کی تمام راہیں موجود ہیں۔

درس امام حسین علیہ السلام حیات جاوداں کا درس ہے اور اسی درس کے اثر سے آج دنیا میں انسانیت کا وجود باقی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ **الاسلام محمدی الوجود و حسینی البقاء** یعنی جس دین انسانیت کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہم تک پہنچایا اس کی بقاء و استحکام کا اہتمام امام حسین علیہ السلام نے کیا وہ قیامت تک باقی رہے گا۔

امام حسین علیہ السلام کے درس زندگی میں سعادت ابدی کے حصول کی ضمانت دی گئی ہے جس کی اصل بنیاد قرآن مجید کی پاکیزہ تعلیمات اور رسول اسلام ﷺ کی مقدس شریعت کی پیروی کے سوا کچھ نہیں۔

دی تو نے ہم کو زندگیء جاوداں حسینؑ
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کربلا کے میدان میں امام حسین علیہ السلام کا دیا ہوا درس زندگی خدا کے بھیجے ہوئے تمام پیغمبروں کی پاکیزہ تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ یہ درس درحقیقت حسینؑ کے مقدس بدن کی معصوم رگوں سے بہنے والے خون کی صدا ہے۔

یہ مظلوم کے خون کی آواز ہے۔

یہ معصوم کے لہو کی پکار ہے۔

یہ بہتر شہیدوں کے خون کی صدا ہے۔ یہ کبھی نہیں دب سکتی۔ یہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی

یہ صدائے خون شہیدان حق ہے

یہ صدائے حق ہے

یہ صدائے عدل ہے

صدائے نور ہے

صدائے فطرت ہے۔ صدائے حقیقت ہے

صدائے صداقت ہے

صدائے عشق ہے

صدائے عزم ہے

صدائے جہاد ہے

صدائے انسانیت ہے

صدائے قرآن ہے اور صدائے توحید ہے کہ جو ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہے گی۔

وہ درس زندگی جو امام حسین علیہ السلام نے دیا وہ خون ناحق کی حق آشنا صدا ہے۔ وہ صدائے خون ہے۔ صدائے خون!

فلسفہ شہادت

مطبوعہ

روزنامہ جنگ لندن

ہفت روزہ صادق لاہور

فلسفہ شہادت

61 ہجری تاریخ اسلام میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی عظیم قربانی کے حوالے سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں واقعہ کربلا رونما ہوا۔ حق و باطل کی جنگ ہوئی۔ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے جد امجد حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شریعت اور دین اسلام کو بچانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور دنیا کی فنا پذیر آسائشوں کو چھوڑ کر ابدی حیات کا راستہ اختیار کیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی بے مثال قربانی و ایثار سے خدا کے دین اور اصول انسانیت کی حفاظت کی۔

امام حضرت حسینؑ بن علیؑ نے لوگوں کو آزادی اور عزت کے ساتھ زندہ رہنے کا درس دیا چنانچہ آپؑ کا یہ جملہ بشریت کی تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا جس میں آپؑ نے ارشاد فرمایا:

"عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے"

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا فلسفہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپؑ انسانیت کے تحفظ اور ابدی حیات کے حصول کے لئے رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کو ایک ایسا راستہ دکھانا چاہتے تھے جس پر چل کر لوگ اپنی فطری اقدار کی پاسداری کر سکیں اور قرآنی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ مند ہو سکیں۔

قرآن مجید نے واضح الفاظ میں شہیدوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

"جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس رزق پاتے ہیں"۔

شہیدوں ہی کے بارے میں دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوا:

"جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے جائیں ان کے بارے میں ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھ سکتے"۔

قرآن مجید کی اس وضاحت کے بعد اسلام میں "شہید" کے مرتبہ و مقام کی پہچان ہو جاتی ہے یعنی ہم اس کے زندہ یا مردہ ہونے کو اس معیار پر دیکھتے ہیں کہ اس کی روح کا تعلق اس کے بدن کے ساتھ قائم ہے لہٰذا

وہ زندہ ہے اور اگر ایسا نہیں تو مردہ ہے جبکہ قرآن مجید میں زندگی اور موت کا معیار، یہ نہیں بتایا گیا بلکہ اس سے نہایت بلند معیار یہ ہے کہ زندگی کا تعلق کس حد تک خداوند عالم سے ہے۔ اگر اس تعلق کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ موت بھی اسی تعلق کے حوالے سے آتی ہے تو پھر وہ موت حقیقی اور ابدی زندگی کا روپ دھار لے گی اور انسان ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا ورنہ قیامت تک وادی فراموشی میں چلا جائے گا۔

قرآن مجید کے اس عظیم معیار حیات کی روشنی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ کو دیکھا جائے تو اس امر سے آگاہی حاصل ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی ظاہری زندگی کا تعلق خداوند عالم کے ساتھ اس حد تک قائم رکھا کہ ان کی زندگی ابدی بن گئی اور وہ حیات جاوداں کی منزل پر فائز ہو گئے۔

تاریخ نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی شہادت کے بنیادی مقصد کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

ان کان دین محمد لم یستقم الا بقتلی فیاسیوف خذینی اگر دین محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میری شہادت کے بغیر نہیں بچ سکتا تو اے تلوار آؤ اور میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دو"۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس بیان میں اپنی شہادت کا مقصد خدا کے دین کی بقاء اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شریعت کی

حفاظت کرنا قرار دیا اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ خدا کا دین ہی انسانیت کی بقاء و استحکام کا ضامن ہے۔ اسلامی تعلیمات ہی سے دنیائے بشریت کی عزت و عظمت کے تحفظ کی راہ ہموار ہو سکتی ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ کی مقدس شریعت میں انسان کی سعادت و کامیابی کا راز پوشیدہ ہے اسی لئے امام حسینؑ نے اپنی شہادت اور عظیم قربانی کا مقصد خدا کے دین کی حفاظت و پاسداری کو قرار دیا تاکہ اس کے سائے میں بنی نوع آدم اپنی تخلیقی بنیادوں کو متزلزل ہونے سے بچا سکیں اور اپنی فطری حریت و آزادی کا تحفظ کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ امامؑ نے فوج اشقیاء سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اگر تم خدا کے دین پر ایمان نہیں رکھتے اور قیامت کے دن پر تمہیں یقین نہیں تو کم از کم اپنی دنیاوی زندگی میں حریت و آزادی کے ساتھ زندہ رہنا سیکھو"۔

اس بیان میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے لوگوں کو درس حریت دیا اور فطری و تخلیقی آزادی کے تحفظ کی تلقین کی۔

کربلا کی تاریخ کے پس منظر و پیش منظر کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ کا معیار خدا کی رضا و خوشنودی کا حصول اور فنا شعار زندگی کے مقابلے میں بقا پذیر ابدی حیات کا انتخاب تھا اور اس کے ساتھ ساتھ جو عظیم درس آپ نے

والی نسلوں کو دیا گیا وہ سعادت و کامیابی کی نوید دینے والا ہے۔

لوگوں کو خدا کے ساتھ مربوط رہنے کا جو عظیم درس نواسہ رسولؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں دیا وہ آدمیت کے عروج کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ خدا کی عبادت کے حوالے سے آپؑ نے جس لطیف انداز میں درس دیا وہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ تھا۔ چنانچہ امامؑ نے فرمایا۔

"خدا کی عبادت کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں"۔

(1) کچھ لوگ خدا کی عبادت تو بجا لاتے ہیں مگر اس کی نعمتوں اور بہشت کے طمع و لالچ میں۔ تو یہ تاجروں والی عبادت ہے (کیونکہ یہ ایک طرح کا لین دین اور سودے بازی ہے)۔

(2) کچھ لوگ خدا کی عبادت اس کے عذاب و سزا کے خوف میں کرتے ہیں تو یہ "غلاموں" والی عبادت ہے (کیونکہ غلام اپنے مالک و مولا کے ڈر سے اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں)

(3) کچھ لوگ خدا کی عبادت اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور اس کے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی رضا و خوشنودی کے لئے کرتے ہیں تو یہ "حریت شعار" لوگوں کی عبادت ہے اور یہی سب سے افضل عبادت ہے کیونکہ اس میں کسی قسم کا لالچ یا ڈر نہیں ہوتا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عبادت گزار لوگوں کے متعلق

انھیں تین قسموں میں تقسیم کر کے خدا کی خالص اور سچی عبادت کرنے اور اس ذات مقدسہ کے ساتھ پاکیزہ اور بے لوث تعلق رکھنے کا درس دیا ہے اور حالت سجدہ میں اپنا سر کٹوا کر خدا کی عبادت میں خلوص اور اس کی رضا و اطاعت میں ایثار کا راستہ دکھلایا ہے۔ چنانچہ امامؑ نے خدا سے اپنی خالص محبت کا اظہار خدا کی بارگاہ میں اپنے اس بیان میں کیا۔

"اے میرے معبود! میں نے پوری کائنات کو تیری محبت میں چھوڑا ہے اور تیرے دیدار کے شوق میں اپنے بچوں کو یتیم کر رہا ہوں اگر تو اس محبت میں میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دے تب بھی میرا دل تیرے سوا کسی کی طرف نہ جائے گا"۔

امام حسین علیہ السلام کا یہ واضح بیان آپؑ کے اخلاص، محبت اور خدا کے ساتھ گہرے تعلق کا ترجمان ہے۔ حریت و آزادی کے پیامبر حسینؑ کی شہادت عظمیٰ کے سلسلے میں حضرت پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا۔

"حسین کی شہادت سے اہل ایمان کے دلوں میں وہ آگ بھڑک اٹھے گی جو کبھی خاموش نہ ہو گی"۔ (مستدرک الوسائل جلد 2 صفحہ 217)

درحقیقت وہ آگ خدا کی محبت کی آگ ہے۔ خدا کے ساتھ گہرے تعلق کی آگ ہے۔ کفر و شرک اور ظلم و استبداد کے خلاف جذبہ جہاد کی آگ ہے جو آج تک اہل ایمان کے دلوں میں روشن ہے اور کبھی ٹھنڈی نہیں ہو سکتی۔

امام حسین علیہ السلام نے ہمیں عزت کے ساتھ زندہ رہنے کا درس دیا۔ خدا کے ساتھ خالص تعلق رکھنے کا درس دیا اور فطری اقدار کی پاسداری میں ہر قسم کی قربانی و ایثار کا درس دیا اور اپنی عظیم شہادت سے خدا کے دین اور نبی ﷺ کی شریعت کو تحفظ فراہم کیا۔ انسانیت کو معراج عطا کی' آدمیت کو دوام و بقا کا راستہ دکھایا' بشریت کو مادیت کی بجائے معنویت سے آراستہ کرنے کے اصول بتائے اور بندوں کی بندگی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے لوگوں کو خدا کی بندگی میں حریت و آزادی کے ساتھ زندہ رہنے کی تلقین کی اور اپنے مقدس خون سے شجر اسلام اور باغ انسانیت کی ایسی آبیاری کی کہ رہتی دنیا تک اپنا نام روشن اور خدا کا پیغام عام کر دیا۔ اسی حقیقت کو واضح الفاظ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

حسینؑ اور کربلا

مطبوعہ

روزنامہ جنگ لندن

ہفت روزہ صادق لاہور

ہفت روزہ اسد لاہور

حسینؑ اور کربلا

ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر آج تک دو قوتیں آپس میں نبرد آزما رہی ہیں۔

ایک وہ قوت جس کا مبدا فطرت کے سوا کچھ نہیں اور دوسری وہ طاقت جس کا نقطہ تحرک شیطان ہے۔

ان دو قوتوں کی جنگ زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ جاری ہے۔ کوئی دور ایسا تصور نہیں کیا جا سکتا جس میں ان دو طاقتوں کا آمنا سامنا نہ ہوا ہو۔ صرف فرق اتنا ہے کہ دونوں قوتوں کے مظاہر مختلف رہے ہیں۔ کسی دور میں فطرت کی حقیت کا اظہار "خلافت الہیہ" کے عنوان سے ہوا تو شیطان نے اپنے استحقاق کا ادعاء کر دیا چنانچہ علم کی وسعت معیار حقیقت

قرار پائی جس کے نتیجے میں شیطان نے انتقامی پہلو اختیار کیا' لوگوں کو گمراہ کرنے کی دھمکی دی اور شکست کھا کر اپنی قوت کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ یہ وہ نقطہ آغاز تھا جس کے بعد پوری کائنات اس جنگ کی لپیٹ میں آ گئی۔

کچھ ایسے ادوار بھی گزرے کہ شیطان کی طرف سے انسانی روپ میں کچھ افراد ربوبیت کا دعویٰ کرنے لگے تو کردگار متعال نے اپنی عظمت و جلال کے ایسے جوہر دکھائے کہ آج تک دریائے نیل کی متلاطم لہریں شیطان کے سپوتوں کی شکست و ہلاکت کی داستانیں بیان کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

بہرحال اس طرح حق و باطل کی کشمکش کا دائرہ تاریخ کی ان حدود تک پھیل گیا کہ دنیا والوں کو کربلا کا واقعہ اور خونین سانحہ دیکھنا پڑا لیکن یہ ایسا واقعہ تھا جو ماضی کے حوادث کے پس منظر و پیش منظر کو ہی برملا نہ کر گیا بلکہ مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کی بنیادیں بھی واضح کر گیا۔

کربلا میں حق و باطل کی دونوں قوتوں کے مظاہر اپنے عروج پر تھے۔ ایک طرف ظلم و استبداد اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا جس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی اور دوسری طرف حق و عدالت بھی اپنے کمال تک پہنچ چکے تھے اور بالآخر کربلا کی سرزمین پر کیا ہوا اور کیوں ہوا اس کے اسرار عوامل و اسباب اور نتائج و آثار کسی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

کربلا میں تاریخ اسلام کے بدنام و بدکردار چہرے یزید بن معاویہ نے

"خلافت الٰہیہ" کے استحقاق کا ادعاء کر کے فطرت کے تمام معیاروں کو چیلنج کر دیا۔ حلال محمد ﷺ کو حرام اور حرام محمد ﷺ کو حلال کرنے کی مذموم کوشش شروع کر دی۔ شریعت میں بدعت کی راہ ہموار کرنے لگا۔ اخلاقی برائیوں کو فروغ دینے لگا' حاکم وقت اسلامی سربراہ ہونے کی حیثیت میں قرآن کی غلط و بیجا تفسیر کرنے لگا' دین کے نام پر لادینیت کا بازار گرم ہو گیا۔ غنا' زنا اور میخواری کی کھلم کھلا ترویج ہونے لگی اور بالآخر معاملہ یہاں تک پہنچا کہ حق کو باطل اور باطل کو حق کہا جانے لگا۔ ایسے حالات میں فطرت کی عظمتوں کے ترجمان حسینؑ ابن علیؑ نے قیام کیا' علم جہاد بلند کیا اور حسن فطرت کے پاسداروں کو دعوت عمل دی' یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ خوابیدہ افکار کو بیدار کر کے امت محمدیہ ﷺ کو حق اور باطل کے حقیقی معیاروں سے آگاہی دلا سکیں' حقیقت و مجاز کی پہچان کرا سکیں اور فطرت کی حقیقی قدروں کو اجاگر کر کے زندگی کے پاکیزہ مقصد کو واضح کر سکیں۔

حسینؑ ابن علیؑ نے انسانی معاشرے کو زندگی کے حقیقی مفہوم سے آگاہ کیا۔ لوگوں کو سعادت و شرافت کی راہیں بتائیں۔ نیک و بد کی پہچان کروائی اور حیات ابدی کا تصوراتی پہلو عملی صورت میں پیش کیا۔

امام حسین علیہ السلام نے لوگوں کو حقائق الٰہیہ سے روشناس کرایا۔ قرآن کی عظمتوں سے آشنا کیا۔ آزادی و حریت کا مفہوم بتایا اور جہاد کی

حقیقت سے آگاہ کیا۔

حسینؑ نے زندگی اور موت کی امتیازی سرحدوں کو ان لفظوں میں واضح کیا۔ **انی لا اری الموت الا سعادۃ والحیوۃ مع الظالمین الا برما** یعنی میں حق و حقیقت کے تحفظ کی راہ میں "مرنے" کو شہادت اور عظیم سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو تباہی کے سوا کچھ نہیں سمجھتا۔

اپنے اس پر معنی جملے میں امام حسین علیہ السلام نے زندگی اور موت کی حقیقتوں اور ان کے حقیقی معیاروں کو بیان کرتے ہوئے اپنے مقدس قیام کے مقصد کو آشکار کیا۔

امام حسین علیہ السلام نے زندہ رہنے کے حقیقی معیار کو اپنی معصوم زبان مبارک سے بیان کرتے ہوئے جس اہم نقطے کی طرف اشارہ کیا اسے اجمالی طور پر یوں ذکر کیا جا سکتا ہے:

1- جو زندگی ظلم و استبداد کے سائے میں گزرے وہ ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

2- جو زندگی ستمگر حکمرانوں کی حکومت و اقتدار میں گزرے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

3- ایک آزاد فطرت و باضمیر انسان کے لئے حریت کی پاکیزہ حقیقت ہی معیار فضیلت قرار پا سکتی ہے۔

4- موت کی تلخی سے متاثر ہونے والے یہ نہیں سمجھ سکتے کہ حق کی راہ میں جان قربان کرنا کس قدر عظیم سعادت ہے۔

5- یوں تو ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے تو کیا ہی اچھا ہو کہ فطرت کی عظمتوں کی پاسداری میں اس شیریں ذائقے سے لطف اندوز ہوں۔

6- عیش و عشرت کی زندگی کو "کامیاب" زندگی نہیں کہا جا سکتا بلکہ حقیقی معنوں میں کامیاب زندگی کا راز حقیقت پسندی اور خدا پرستی میں پوشیدہ ہے۔

7- جو لوگ ظالموں کے ساتھ رہ کر اپنی زندگی کو کامیاب سمجھتے ہیں ان کا فیصلہ و نظریہ غلط اور ان کی زندگی ناکام ہے۔

8- عزت کا معیار مادی حیات کی بلند پروازیوں میں نہیں بلکہ معنوی اقدار کی رفعتوں کے حصول میں ہے۔

9- جو لوگ زندگی کی لذتوں سے بہرہ ور ہونا چاہیں انہیں زندگی کی فنا پذیری اور موت کی سعادتمندی کے پہلو سے غافل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جو شخص دنیاوی زندگی کی حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے اسے موت خوفزدہ نہیں کر سکتی۔

10- نہ زندگی کسی مقصد کے بغیر ہے اور نہ موت کسی ہدف سے خالی اور جو شخص اپنی زندگی میں اپنے تخلیقی مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب

ہو جائے تو یقیناً اس کی موت بھی اس کی نجات کی پیامبر ہو گی۔

11- اگر مقصد کی دستیابی کی خاطر موت کا منہ دیکھنا پڑے تو وہ حقیقی معنے میں زندگی ہے اور مقصد و مقصود آفرینش کو نظر انداز کرتے ہوئے زندگی بسر کرنا ہمیشہ ہمیشہ کی ہلاکت و نابودی کے سوا کچھ نہیں۔

12- اصول پرستی کی راہ میں آنے والی موت سعادت و خوش بختی ہے اور اصول فطرت سے منحرف ہو کر زندہ رہنا موت و نابودی ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے حکیمانہ جملے کے جو بعض اہم پہلو بیان کئے گئے ہیں ان میں شعوری حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے سید الشہداءؑ کے جہاد مقدس کی پاکیزہ منزل کا پتہ ملتا ہے۔

وہ حسینؑ جس نے آغوش رسالت میں پرورش پائی!

وہ حسینؑ جسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ محبت نصیب ہوئی!

وہ حسینؑ جو عصمت بتولؑ کی حقیقتوں کا حامل تھا!

وہ حسینؑ جس کے ہاتھ میں ذوالفقار علیؑ کی جلالت تھی!

وہ حسینؑ جو امامت کے نورانی تخت کی زینت تھا!

وہ حسینؑ جو زبان وحی سے حقائق الہیہ حاصل کر چکا تھا!

وہ حسینؑ جس کی نگاہ بصیرت زمانے کے اطوار اور حالات کے نشیب و فراز کو دیکھ چکی تھی!

وہ حسینؑ جو تاریخ آدمیت کے اتار چڑھاؤ سے پورے طور پر آگاہ

تھا!

اور وہ حسینؑ جو محمد ﷺ کا نواسہ' علیؑ و فاطمہؑ کا لال اور حسنؑ کا بھائی تھا' یزید جیسے فاسق' فاجر' بدکار' بدکردار اور بدطینت شخص کی استبدادی و آمرانہ حکومت اور غاصبانہ اقتدار کو کیونکر تسلیم کر سکتا تھا!

امام حسینؑ دیکھ رہے تھے کہ اگر آج ظالم کے مقابلے میں قیام نہ کریں تو اہل نظر و ارباب فکر زندگی کی حقیقت سے آشنا نہ ہو سکیں گے اور رہتی دنیا تک کوئی شخص حق و حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکے گا اور ہمیشہ کے لئے فکری اضطراب لوگوں پر چھایا رہے گا۔ چنانچہ حق کی حقیقتوں کو آشکار کرتے ہوئے حسینؑ ابن علیؑ نے ظلم کے سامنے اپنی قوت امامت کا مظاہرہ کیا۔ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے مقصد بعثت کو واضح کیا۔ قرآن اور کتب آسمانی کے حقائق کو آشکار کیا۔ خدا کے مقدس دین کی پاسداری کے لئے اپنی جان پیش کر دی اور اپنے ساتھیوں کے مقدس خون سے ایک "کربلا" بنائی۔

وہ کربلا جو طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں عملی جہاد کا مرکز بنی!

وہ کربلا جسے اکبرؑ کے شباب نے جوانی بخشی!

وہ کربلا جسے اصغرؑ کے تبسم نے نکھار عطا کیا!

وہ کربلا جس کا دامن قاسمؑ کے خون سے گلگون ہوا!

وہ کربلا جس کے چہرے پر عباسؑ کی وفا کا حسن نمودار ہوا!

وہ کربلا جس کے دامن پر عونؑ و محمدؑ کے معصوم لہو نے حق کی پاسداری کی تصویر بنائی!

وہ کربلا جس کی حقیقت کو حسینؑ نے اجاگر کیا اور!

وہ حسینؑ جس کے مقصد کو کربلا نے پورا کر دیا۔ آج وہ حسینؑ بھی زندہ ہے اور وہ کربلا بھی۔ آج اسی کربلا کے ذرہ ذرہ سے یہی آواز آ رہی ہے:

"کل یوم عاشورا کل ارض کربلا"

آج حسینؑ کو کربلا کے ساتھ اور کربلا کو حسین کے نام پر یاد کیا جاتا ہے۔

حسینؑ کی کربلا کا پیغام آج بھی یہی ہے کہ ظلم کے خلاف ہر دن عاشور کا دن اور ہر زمین کربلا کی زمین بن سکتی ہے۔

آج بھی حسینؑ ان لوگوں کی پیشوائی کر رہے ہیں جو ظلم کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے اپنی فطری عظمتوں سے لطف اندوز ہونے سے محروم ہیں اور آزادی کا راستہ ڈھونڈ رہے ہیں اور آج بھی کربلا دنیا بھر کے حریت پسندوں کی جائے تمنا اور آرزوؤں کا مرکز ہے۔

آج بھی حسینؑ کی صدائے آزادی کائنات کے گوشہ گوشہ میں گونج رہی ہے۔

آج بھی کربلا کے میدان میں گونجنے والی حسینؑ کے معصوم بچوں کی

صدائے "العطش" طاقت کا اظہار کر رہی ہے۔

آج بھی حسینؑ کے مقدس لہو کی گرمی ہر صاحب دل کے لہو کو گرما رہی ہے۔

آج بھی کربلا زندہ اور حسینؑ بھی زندہ ہے۔

زندہ ضمیر لوگوں کو حسینؑ کا پیغام حریت آج بھی مل رہا ہے اور زندگی کی حقیقت سے لطف اندوز ہونے کے لئے سعادت و عظمت کے طالب افراد آج بھی حسینؑ کے نقش قدم پر چل کر اپنی نجات کا راستہ پا رہے ہیں۔

ہاں! اے حسینؑ اے کربلا کے حسینؑ تو زندہ ہے اور تیری کربلا بھی زندہ ہے' تیرا نام بھی زندہ ہے اور تیرا پیغام بھی زندہ ہے' آج بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

اے سید الشہداءؑ! ہم آپ کی عظمت کا ادراک کرتے ہوئے اور آپ کی رفعتوں کا احساس کرتے ہوئے اور آپ کی پاکیزہ کربلا سے تجدید عہد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یا لیتنا کنا معکم فنفوز فوزا" عظیما"

اے کاش! ہم آپ کے ساتھ ہوتے' اے کاش'

اے کاش! ہم آپ کے مقدس کاروان حریت میں شامل ہوتے!

اے کاش! ہم آپ کی کربلا آپ کے حضور میں دیکھتے! اے کاش! ہم آپ

کے ساتھ آپ کے ساتھیوں میں شامل ہوتے اور فوزِ عظیم کی منزل کو پاتے
!

اے کربلا! اے حسینؓ کی کربلا! ہم تیرے ساتھ تجدید عہد کرتے ہیں کہ جب تک ہماری رگوں میں لہو دوڑ رہا ہے کسی ظالم کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کریں گے اور باطل کو حق اور حق کو باطل نہیں کہیں گے۔

اے حسینؓ اے کربلا کے حسین ہم آپ کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ جب تک زندہ ہیں آپ کے مقدس مشن کی تکمیل کے لئے اپنی جان، مال اور عزیزوں کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔

مگر اے حسینؓ! اور اے کربلا! خدا کے حضور دست بہ دعا ہیں کہ ہمیں اس عہد کی تکمیل کی توفیق نصیب ہو۔

حسینؓ! اے کربلا کے حسین!

کربلا! اے حسینؓ کی کربلا!

ہمارے آنسوؤں کے ہدیہ کو قبول کیجئے!

ہمارے آنسو محبت کے آنسو ہیں!

عقیدت کے آنسو ہیں!

عزم جہاد کے آنسو ہیں!

شوق شہادت کے آنسو ہیں!

عشق الٰہی کے آنسو ہیں!

اور ان آنسوؤں کی گرمی ہمارے ایمان، عقیدے اور احساس کی گرمی ہے۔

ہمارا احساس ہمارے اخلاق کا عکاس ہے اس لئے اے حسینؓ اے امام حریت! اے قافلہ سالار آزادی! ہماری عقیدت کا سلام قبول ہو۔ آپ کو اور آپ کے ان باوفا اور جاں نثار ساتھیوں کو جنہوں نے ہمیں عزت کے ساتھ زندہ رہنے کا درس دیا۔

انقلاب کربلا کا پیغام

استقلال، آزادی، تحفظ انسانیت، معراج بشریت

مطبوعہ

ماہنامہ الحوزہ لاہور

ماہنامہ الوفاق لاہور

ہفت روزہ شہید لاہور

انقلاب کربلا کا پیغام

استقلال، آزادی، تحفظ انسانیت، معراج بشریت

تاریخ اسلام میں یوں تو متعدد واقعات ایسے ملتے ہیں جو کسی دور کے حالات کی عکاسی کرتے ہوئے ارباب عقل کو دعوت فکر دیتے ہیں اور ہر واقعہ اپنی امتیازی خصوصیت کی وجہ سے دوسرے واقعات کی نسبت زیادہ مورد توجہ واقع ہوتا ہے مگر دنیائے اسلام ہی نہیں بلکہ عالم انسانیت میں ایک ایسا عظیم واقعہ ہمارے سامنے ہے جو نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ بشریت میں اپنی نوعیت کا منفرد ترین واقعہ ہے اور اس کی انفرادیت کا راز بھی دراصل اس کے پیغام کے تقدس میں مضمر ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسا واقعہ ہے اور اس کا پیغام کیا ہے؟

تو جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے تو تاریخ نے اسے "واقعہ کربلا"

کے نام سے یاد کیا ہے۔ وہ واقعہ جو 61 ہجری کو رونما ہوا لیکن اس کی پیش گوئی صدیوں پہلے ہو چکی تھی۔

وہ واقعہ جس کا ہر پہلو اپنے مقام پر ایک مستقل تاریخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ واقعہ جسے اپنے بھی جانتے ہیں اور اغیار بھی۔ وہ واقعہ اپنے دامن ہدف میں ایک پیغام لئے ہوئے ہے۔

اس کا پیغام نہایت ہی سادہ اور دلکش ہے۔

اس کا پیغام اس کی عظمت کا ترجمان ہے۔

اس کا پیغام اس کی صداقت کا ترجمان ہے۔

اس کا پیغام اس کی حقیقت و حقانیت کا عکاس ہے۔

اس کا پیغام اس کے مقصد کی سچائی و بلندی کی منہ بولتی تصویر ہے۔
اگر اس پیغام کو عام فہم اور سادہ الفاظ میں بیان کیا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے۔

"استقلال"!

"آزادی"!

"تحفظ انسانیت"!

اور "معراج بشریت"!

یہ ہے پیغام کربلا کا خلاصہ!

یہ ہے پیغام کربلا کی اجمالی تصویر!

یہ ہے پیغام کربلا کی روحانی تفسیر!

یہ وہ پیغام ہے جس نے انقلاب کربلا کو جنم دیا۔

یہ وہ پیغام ہے جس نے ہر دور میں ظلم و استبداد کی زنجیروں کو پارہ پارہ کرنے کی راہ دکھائی۔

یہ وہ پیغام ہے جس نے انسان پر انسان کی حکمرانی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کرنے کا راستہ ہموار کیا۔

یہ وہ پیغام ہے جس سے مظلوم و ستم رسیدہ انسانیت کو سہارا ملا۔

اسی پیغام نے مردہ ضمیروں کو زندہ کیا اور خوابیدہ افکار کو بیداری بخشی۔

اسے کربلا کا پیغام کہیں یا انقلاب کربلا کی تصویر' دونوں ٹھیک ہیں۔

اسے انسانوں کی عظمت کی بحالی کی نوید کہیں یا دکھی انسانیت کا سکون۔

اسے اشرف المخلوقات کی سعادت کا ضامن کہیں یا معراج بشریت کا علمبردار۔

یہ پیغام حق کی آواز بھی ہے اور فطرت کی تصویر بھی' اور

یہ پیغام صداقت کا صحیفہ بھی ہے اور دیانت کی روشن کتاب بھی!

انقلاب کربلا نے اپنے پیغام میں ظلم کے خلاف قیام کرنے کو عین سعادت قرار دیا اور جبر و جور کے مقابلے میں خاموش رہنے کو انسانیت کی توہین ہی نہیں بلکہ فطرت کے ساتھ خیانت کرنے کے مترادف قرار دیا۔

انقلاب کربلا نے قوموں کے مردہ ضمیروں میں حریت کی تازہ روح پھونکی۔

انقلاب کربلا نے غلامانہ زندگی کو شرافت مندانہ حیات میں تبدیل کرنے کا درس دیا۔

انقلاب کربلا نے مظلوم سے محبت اور ظالم سے نفرت کرنے کی بنیاد رکھی۔

انقلاب کربلا نے عدل و انصاف کی حکومت قائم کرنے کے لئے ظلم و استبداد اور ناانصافی کے خلاف جہاد کا درس دیا۔

انقلاب کربلا نے مادی قوتوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے روحانی و معنوی طاقتوں کا سہارا لے کر دکھی انسانیت کو نجات دلانے کا ڈھنگ سکھایا۔

انقلاب کربلا اگرچہ کئی سو سال پہلے رونما ہوا مگر "کل یوم عاشورہ و کل ارض کربلا" کے مصداق ہر دور میں انقلاب کربلا کا سبق دہرایا جاتا ہے۔

انقلاب کربلا ایک مثال تھی جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے سامنے پیش کی گئی اس کی تقلید کرنا ہر دور میں ہر قوم کی فطری ذمہ داری بھی ہے اور انسانی تقاضا بھی۔

انقلاب کربلا آزادی بشر کا سنگ بنیاد تھا جو ہر اس دور میں رکھا جا سکتا ہے جو بشریت کی آزادی سلب کرنے کا باعث ہو اور جب فطری

آزادیاں غصب کی جا رہی ہوں۔

انقلاب کربلا حرمت انسانیت کا ضامن ہے جسے ہر اس دور میں اپنایا جا سکتا ہے جس میں انسانیت کا خون کیا جا رہا ہو۔

انقلاب کربلا کسی علاقے یا قوم کے انقلاب کا نام نہیں۔ انقلاب کربلا کسی قبیلے یا زبان سے مخصوص نہیں۔ انقلاب کربلا کسی فرد یا گروہ کی میراث نہیں بلکہ انقلاب کربلا نام ہے اس تحریک کا جو تحفظ انسانیت اور معراج بشریت کے لئے چلائی گئی اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی آدمیت کو فطرت کی عطا کردہ آزادی دلانے کے لئے اس کا آغاز ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس انقلاب کے عظیم قائد حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے اپنی اس مقدس تحریک کا ہدف اور انقلاب کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

انی لا اری الموت الا سعادة والحیوۃ مع الظالمین الا برما

یعنی میں تحفظ انسانیت اور معراج بشریت کی راہ میں آنے والی موت کو عین سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا انسانیت کی توہین ہی نہیں بلکہ تباہی و ہلاکت سمجھتا ہوں۔

یہ قائد انقلاب کربلا کا انقلاب آفرین جملہ ہمیشہ کے لئے ایک اصول اور ضابطہ کی شکل اختیار کر گیا اور اس بات کا درس بن گیا کہ مظلوم انسانیت کے تحفظ و پاسداری کے لئے جان کی قربانی پیش کرنا عین سعادت

ہے اور اگر کبھی ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنی پڑے تو اسے زندگی تصور کرنا غلط ہے بلکہ وہ خود ایک طرح کی ہلاکت و تباہی ہے۔

عام طور پر قائد انقلاب کربلا امام حسین علیہ السلام کا یہ فقرہ دہرایا جاتا ہے کہ آپؑ نے فرمایا۔ "عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے"

یقیناً ایسے جملے ہی انقلاب کربلا کا پیغام کہلا سکتے ہیں اور اسی سے انسانیت کے تحفظ کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔ اسی سے ظلم کا چراغ بجھایا جا سکتا ہے اور اسی سے شرافت مندانہ حیات کا حصول ممکن ہے۔ ورنہ جو زندگی ذلت کے سائے میں گزرے اسے زندگی کی بجائے موت بلکہ تباہی کہنا زیادہ موزوں ہے۔

شاید اس بات کی حقیقت کسی زمانے میں مجہول یا مبہم ہو کہ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے کیونکر بہتر ہے مگر عصر حاضر میں اس کا عملی ثبوت موجود ہے کہ جو قوم بھی انقلاب کربلا کی پیروی میں ظلم کے خلاف ڈٹ جاتی ہے بالآخر اپنی منزل حریت کو پا ہی لیتی ہے۔

انقلاب کربلا مظلوم قوموں کو استقلال کے حصول کا راستہ دکھاتا ہے اور انہیں زندہ رہنے کے حقیقی اصول بتاتا ہے۔

انقلاب کربلا کا پیغام اس کے سوا کچھ نہیں کہ حق کی خاطر جان دینا آسان ہے مگر باطل کے سامنے سر جھکانا ممکن نہیں۔

انقلاب کربلا کا پیغام آدمیت کی حفاظت کے لئے کاخ آمریت کے

درو بام ہلا کر رکھ دیتا ہے اور انسانیت کی معراج کے لئے ہر مادی طاقت سے ٹکراتا ہے۔

اور انقلاب کربلا کا پیغام خدا کی اطاعت' قرآن مجید پر عمل پیرا ہونا۔ سنت و سیرت معصومینؑ کو معیار عمل قرار دینا اور دنیا کی فنا شعار لذتوں کے مقابلے میں آخرت کی بقاء آشنا راحتوں کے حصول کو ترجیح دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی کربلا والوں کا نام دین' شرافت' دیانت اور انسانیت کے حوالوں سے روشن ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اگر کربلا والے شہیدوں کی قربانیاں نہ ہوتیں تو آج ہر انسان گمراہی کی تاریکی میں گر چکا ہوتا۔

کربلا کا پرچم دار عباسؑ

مطبوعہ

ہفت روزہ رضا کار لاہور

کربلا کا پرچم دار عباسؑ

کربلا کی داستان خون' شہادت' ایثار' استقامت' صبر' شجاعت' اور اخلاص و وفا کی داستان ہے۔ اسی وجہ سے تاریخ کربلا کا ہر باب انفرادیت اور تشخص و امتیاز کا حامل ہے۔ جہاں لہو کی سرخی اس کے مظلوم چہرے کا نکھار بن چکی ہے وہاں لہو کی گرمی اس کی معصومیت کا وقار بن کر ظلم و استبداد کے سیاہ بادلوں کی مہیب چھاؤں میں سوئے ہوئے انسانوں کے لہو کو گرما کر انہیں جہاد اور قیام کی دعوت دیتی ہے۔

61 ہجری کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر اہل نظر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میدان کربلا میں ہر فرد اپنی امتیازی خصوصیت کے ساتھ محبت حسینؑ کا پرچم اٹھا کر جذبہ ایثار و شہادت کی خوں رنگ قبا میں ملبوس "لقاء

اللہ" کا مشتاق نظر آتا ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ حسینؑ کا ہر ساتھی شعور کی عظمت کا نقیب بن کر عظمت کے شعور کی پاسداری میں مصروف' دنیا کی لذتوں اور آسائشوں کو روندتا ہوا سعادت ابدی کی حقیقی منزل کی جانب رواں دواں ہے۔ اس کارواں کا سالار حسینؑ ہے مگر پرچم دار عباسؑ!

عباسؑ کاروان حسینیؑ کا علم اٹھائے ہوئے اپنی صداقت اور حسینؑ کی عظمت کو آشکار کرنے میں مصروف ہے۔ عباسؑ کے پرچم کا پھریرا ہوا میں لہرا کر حسینؑ کا پیغام دنیا بھر میں پھیلا کر اخلاص و وفا کی مثال قائم کرتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے دشمن خدا خوفزدہ اور لرزہ براندام ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ **"واللہ متم نورہ"** اس پرچم کا نشان ہے جو کبھی نہیں مٹ سکتا۔

کربلا کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یزید حسینؑ کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی حسینؑ یزید کے مقابلہ کے لئے بھرپور اہتمام کے ساتھ کربلا میں آئے تھے بلکہ یزید اچھی طرح اس حقیقت سے باخبر تھا کہ:

حسینؑ ایک شخص نہیں بلکہ شخصیت ہیں!

فرد نہیں معاشرہ ہیں!

ایک نہیں بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں!

اس کی بات اپنی نہیں خدا کی ہے!

اس کا عمل اپنا نہیں محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہے!

اس کا کردار اپنا نہیں کردار نبویؐ کا پرتو ہے!

اس کا پروگرام خودساختہ نہیں خدا ساختہ ہے!

اس کا پیغام عام کلام نہیں وحی و الہام کا ترجمان ہے!

اس کی گفتار شعار ہی نہیں شعور بھی ہے!

اور اسے اپنے عشق الٰہی پر فخر بھی ہے اور غرور بھی!

لہٰذا یزید نے بھانپ لیا کہ حسینؑ ہی ہے جو خدا کا مغرور مگر مطیع کامل عاشق بندہ ہوتے ہوئے میرے کاخ استبداد کی دہلیز پر سر تسلیم خم نہیں کرے گا اور نہ فقط میرے سامنے نہیں جھکائے گا بلکہ میرے جیسے کسی ستمگر کے سامنے بھی آداب غلامی نہیں بجالائے گا۔

یزید حسینؑ کے قتل کا خواہاں نہیں تھا اور نہ ہی اسے حسینؑ کے قتل پر اصرار تھا بلکہ یزید "حسینیت" کا خون کرنا چاہتا تھا۔ وہ حسینؑ کی محبت خدا، عشق الٰہی اور وفائے کردگار کو چیلنج کر رہا تھا اس لئے حسینؑ نے بھی اپنی محبت کا عملی ثبوت دیتے ہوئے اپنے محبوب کی رضا کے لئے اپنی جان کا ہدیہ پیش کیا اور اپنے عشق کی لاج رکھنے کے لئے اپنی جان معشوق حقیقی کے قدموں میں نثار کر دی اور اپنی وفائے کردگار کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے باوفا بھائی عباسؑ کا قلب سلیم پیش کیا۔

عباسؑ جاہ و جلال اور ایثار و وفا میں علی ابن ابی طالبؑ کی تصویر

تھے۔ عباسؑ نے کربلا میں علیؑ کی ترجمانی کرتے ہوئے اس طرح حسینؑ کی نصرت کی اور مظلوم کربلا کے ساتھ اپنی وفا کا ثبوت دیا جس طرح آغاز اسلام میں علیؑ نے پیغمبر اسلام ﷺ کی مدد کی تھی۔

کربلا میں حسینؑ کو دو عظیم یادگاریں میسر تھیں۔ ایک محمد ﷺ کی یادگار، جو شکل و صورت میں اور گفتار و کردار میں پیغمبر اسلام ﷺ کی شبیہہ تھا (علی اکبرؑ) اور دوسرا علیؑ کی یادگار جو جاہ و جلال اور اخلاص و وفا میں علیؑ کی مثال تھا (عباس علمدارؑ)۔

صدر اسلام میں علیؑ نے محمد ﷺ کا ساتھ دے کر اور ہر کٹھن مرحلہ میں نصرت کر کے شجر اسلام کی آبیاری میں حصہ لیا لیکن کربلا میں عباسؑ نے حسینؑ کا ساتھ دے کر اور تنہائی میں مونس و غمخوار بن کر اسلام کے تحفظ میں بے مثال کردار ادا کیا۔

حسینؑ کو عباسؑ کی وفا و استقامت پر اس قدر ناز تھا جتنا کہ محمد ﷺ کو علیؑ کی نصرت پر، چنانچہ جب یزید نے اپنی مادی قوت کا مظاہرہ کیا اور صحرائے کربلا کو اشقیاء سے بھر دیا اور ہر طرف سے یزیدی فوج نے گھیرا ڈال دیا تو اس کٹھن صورت حال میں عباسؑ نے اپنی پدرانہ شجاعت و شہامت کے جوہر دکھائے۔ دشمن کو للکارا، علم اٹھا کر سامنے آئے اور اپنے پرچم کی سربلندی سے اپنے مقصد کی عظمت کا اظہار کیا۔ ادھر عباسؑ نے علم اٹھالیا ادھر دشمن کی صفوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ سب کے ہاتھ کانپنے

لگے' دل دھڑکنے لگے اور جسموں میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ ابھی عباسؑ میدان میں نہیں پہنچے تھے کہ ضعیف و کمزور عقیدہ افراد یزید کو جنگ ترک کر دینے کا مشورہ دینے کی باتیں کرنا شروع ہو گئے۔ بالآخر عباسؑ نے حالات کا جائزہ لے کر اپنے اس بھائی جنہیں ہمیشہ "آقا" و "مولا" کہہ کر بات کرتے تھے اور کمال تواضع و احترام کی وجہ سے بھائی کہنے سے اجتناب کرتے تھے یعنی امام حسینؑ کے پاس آئے اور عرض کی مولا! اجازت دیجئے میدان کارزار میں جا کر دشمن کا صفایا کر دوں۔ مگر حسینؑ نے فرمایا۔ نہیں بھائی ابھی نہیں۔

عباسؑ نے اصرار کیا مگر حسین نے ایک مرتبہ عباسؑ کی طرف محبت کی نظروں سے دیکھا۔ حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اپنے باپ کی نشانی کو حسینؑ نے بار بار دیکھا اور اپنے مخصوص مظلومانہ انداز میں فرمایا:

بھائی عباسؑ اگر تم چلے گئے تو میری فوج کا علم کون سنبھالے گا تم تو میری سپاہ کے پرچم دار ہو!

امام حسینؑ کا جواب سن کر وفا شعار بھائی نے عرض کی: مولا! اگر اجازت دیں تو بچوں کے لئے پانی لے آؤں کیونکہ تین دن ہو چکے ہیں خیموں سے العطش العطش کی آوازیں آ رہی ہیں۔

عباسؑ کا انداز طلب اجازت ہی ایسا تھا کہ امام حسینؑ نے اپنا ارادہ

بدل دیا لور مظلوم کربلا نے عباسؑ کی طرف نگاہ کی اور اجازت عطا کی۔ حسینؑ جانتے تھے کہ عباسؑ وفاشعار ہے جب تک پانی نہ لائے گا واپس نہ لوٹے گا۔

عباسؑ میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ علم ہاتھ میں لیا۔ تکبیر کی آوازیں بلند کرتے ہوئے دشمن کے سامنے آئے۔ یزید کی فوج عباسؑ کے مقابلے کے لئے ہرگز تیار نہ تھی سب فوجی گھبرائے ہوئے حیران و پریشان ہراساں و خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگے۔

عباسؑ دشمن کو للکارتے ہوئے صفوں کو چیر کر فرات کے کنارے پہنچے۔ فرات پر بھی دشمنوں کا پہرہ تھا مگر عباسؑ نے اپنے مخصوص انداز میں پیش قدمی کو جاری رکھا۔ دریا کے کنارے پہنچ کر سقائے حرم نے مشکیزہ دریا میں ڈال دیا۔ پانی بھر کر عباسؑ اٹھ کھڑے ہوئے۔ عباسؑ خوش ہو گئے کہ جس مقصد کے لئے حسینؑ سے اجازت لے کر نکلا تھا وہ پورا ہو رہا ہے۔ عباسؑ کبھی سکینہؑ کی پیاس کو یاد کرتے لور کبھی اصغرؑ کے خشک ہونٹوں کی بے صدا حرکت کو۔ بچوں کی پیاس کو یاد کر کے عباسؑ نے دعا مانگی کہ اپنے مقصد میں کامیاب لور حسینؑ کے ننھے پیاسوں سے سرخرو ہو سکیں۔ عباسؑ کی یہ تمنا' یہ آرزو سرمایہ حیات ہے کہ حسینؑ کے معصوم پیاسے بچوں کو پانی پلا سکیں۔

عباس پانی بھر کر دریا سے روانہ ہوئے ایک ہاتھ میں علم لیا اور

مشکیزہ اٹھا کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ دشمن یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ اشقیاء نے عباسؑ کو دیکھا کہ اب پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ خیموں میں پہنچ جائے گا اور ننھے بچے سیراب ہو جائیں گے تو زور و بزدل مگر شقی اعداء ہر طرف سے دوڑے اور اپنی بے شمار تعداد کے ساتھ عباسؑ پر حملہ کر دیا۔ ادھر عباسؑ پر حملہ ہوا اُدھر عباسؑ نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر پانی کی حفاظت شروع کر دی۔ تیروں پر تیر آنے لگے۔ نیزوں کی بارش ہوئی مگر جو چیز بھی آتی عباس علم اور مشکیزے کو بچانے کے لئے اپنا بدن آگے کر دیتے۔ اس وقت عباسؑ کو دو باتوں کا خیال تھا ایک تو یہ کہ علم نہ گرنے پائے کیونکہ جب تک علم کا پھریرا ہوا میں لہراتا رہے گا حسینؑ کے بچوں کو اطمینان رہے گا اور دوسرا یہ کہ کوئی نیزہ یا تیر مشکیزے کو نہ لگنے پائے ورنہ عباسؑ کی ساری محنت رائیگاں جائے گی۔

دشمن نے عباسؑ کی ان دونوں کوششوں کو بھانپ لیا اس لئے سب نے یہ کوشش شروع کر دی کہ مشک گر جائے اور پانی بہہ جائے۔ چنانچہ اعداء دین نے نواسہ رسولؐ کے بے گناہ بچوں کو پانی سے محروم رکھنے کے لئے عباسؑ کے مشکیزے پر وار کرنا شروع کر دیئے۔ ہر طرف سے تیر آنے لگے۔ عباس مشکیزے کو کبھی دائیں ہاتھ میں لیتے اور کبھی بائیں ہاتھ میں لیتے۔ لیکن جب دشمن کے پے در پے وار کرنے سے عباس باوفا کے دونوں بازو قلم ہو گئے تو شیر دلاور نے مشکیزہ کو اپنے دانتوں میں لے لیا اور

اس طرح پھر اپنی کوشش اور حقیقی مقصد کو پورا کرنا چاہا مگر عباسؑ کی یہ خواہش' یہ تمنا پوری نہ ہو سکی اور ایک تیر مشکیزہ پر آ کر لگا جس سے سارا پانی بہہ گیا۔ ادھر مشک سے پانی بہا تو حضرت عباسؑ نے زندہ رہنے کی تمنا کو بھول کر اپنے عشق کی آخری منزل تک پہنچنے کی کوشش کی۔ ادھر مشک سے پانی بہا ادھر عباسؑ کی آرزوئیں ختم ہو گئیں۔

عباسؑ علیؑ کی طرح باوفا تھے۔ حسینؑ کی مظلومیت عباسؑ کے سامنے تھی۔ اب عباسؑ نے سوچا کہ جس مقصد کے لئے اجازت لے کر آیا تھا وہ پورا نہ ہو سکا تو اب اپنے خون سے داستان وفا رقم کرتا چلوں۔ عباسؑ دشمنوں کے مقابلے کے لئے آگے بڑھے کئی اشقیاء کو تہ تیغ کرتے ہوئے دشمن کے متعدد سپاہیوں کو جہنم واصل کیا۔ پھر عباس پر ہر طرف سے حملے ہونے لگے۔ دشمنوں کے نرغے میں گھر گئے۔ اعداء حق نے عباسؑ پر تیروں' تلواروں اور نیزوں سے وار کئے۔ عباسؑ کا بدن لہولہان ہو گیا۔ دنیاوی زندگی کی آسائشوں کو نظرانداز کرنے والا "لقاء اللہ" کا مشتاق دلاور اب اپنے مقدس خون سے کربلا کی تاریخ کو سرخرو کرنا چاہتا ہے اور خود بھی اپنے "مولا" کی بارگاہ میں سرخرو و سرفراز ہونے کا خواہشمند ہے۔ عباسؑ گھوڑے سے گرتے گرتے ہی آواز دی: **یا ابا عبداللہ ادرکنی**

ادھر مظلوم بھائی نے اپنے شیر دل باوفا بھائی کی آواز استغاثہ سنی تو **انا اللہ و انا الیہ راجعون** کہتے ہوئے میدان کی طرف بڑھے۔ حسینؑ

عباسؑ کے قریب آئے اور اپنے بھائی کو زمین پر دیکھ کر مظلوم کربلا اشکبار ہو گئے۔ جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ بھائی کے بازو تن سے جدا ہو چکے ہیں۔ بھائی کے پاس پہنچ کر مظلوم کربلا نے اپنے وفا شعار پرچم دار کی شہادت پر یوں فرمایا:

رضا بقضائه و تسلیما" لامره

ہم اللہ کی رضا و فیصلے پر راضی ہیں اور اس کے امر پر سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

حسینؑ عباسؑ کے پاس بیٹھ کر مصروف عزاء ہو گئے۔ عباسؑ نے حسینؑ پر اپنی وفاداری کا عملی ثبوت فراہم کر دیا اور یہ بات رہتی دنیا تک ایک مثال بن گئی کہ حق کی خاطر عباسؑ ایسے باوفا' باعظمت اور با اخلاص بھائی کی قربانی بھی دینی پڑے تو حسینؑ والے حسینؑ کی سنت کو اپنائیں گے اور **یا لیتنا** کہنے والے حسینیؑ مشن کی بقاء کے لئے عباسؑ کی وفا کا نمونہ پیش کریں گے۔

عباس کربلا کے پرچم دار عباسؑ

حسینؑ کی امیدوں کا مرکز'

عباسؑ سپاہ حسینؑ کے سالار'

عباسؑ انقلاب کربلا کے عظیم کردار'

عباسؑ سقائے حرم'

عباسؑ غازی و شہید،

عباسؑ مشکل کشاء کے حاجت روا بیٹے،

عباسؑ وفا کی پہچان،

عباسؑ خلوص کی جان،

عباسؑ اپنے باپ کا وقار اور عباسؑ حسینؑ کے علمدار! ہمارا سلام قبول ہو۔

کربلا کی کردار ساز تاریخ

مطبوعہ

ماہنامہ الحوزہ لاہور

سہ ماہی سفینہ روسلو (ناروے)

ہفت روزہ الوفاق لاہور

ہفت روزہ اسد لاہور

کربلا کی کردار ساز تاریخ

کربلا والوں کی تاریخ دنیا بھر کی حریت پسند قوموں کے لئے کردار ساز اور ان کا کردار اقوام عالم کے لئے تاریخ ساز ہے۔ اگر واقعات کربلا کے پس منظر اور پیش منظر کا غور سے جائزہ لیا جائے تو:

اس درس آموز واقعہ میں ایک طرف حق کا نورانی چہرہ نظر آتا ہے اور دوسری طرف ظلم و جور کا بازار باطل کی مکروہ صورت میں گرم دکھائی دیتا ہے۔

ایک طرف آزادی و حریت کے آوازے سنائی دیتے ہیں اور دوسری طرف اسارت و غلامی کی زنجیروں کی جھنکار سنائی دیتی ہے۔

ایک طرف سچ اپنی دلربا شکل کے ساتھ عاشقان حقیقت کی توجہ کا

مرکز بنا ہوا نظر آتا ہے اور دوسری طرف جھوٹ اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لئے سرگرم عمل دکھائی دیتا ہے۔

ایک طرف انسانیت اپنے عروج پر نازاں نظر آتی ہے اور دوسری طرف شیطانیت اپنی شدت کو تجسم دینے میں کوشاں دکھائی دیتی ہے۔

ایک طرف آدمیت کے پرچم لہراتے نظر آتے ہیں دوسری طرف آمریت کے چراغ ٹمٹماتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

اور اگر سادہ و واضح الفاظ میں کہا جائے تو ایک طرف عصمت کی عظمتیں کردار ساز تاریخ کی روشنی میں حریت کے حقیقی مفہوم کو پاکیزہ خون کی تیز دھاروں سے قلمبند کرنے میں مصروف دکھائی دیتی ہیں اور دوسری جانب عیش و عشرت اور تعیش کی لذتیں کردار کش حرکتوں کے فروغ اور تاریخ سوز کردار کی ترویج کے لئے خودنمائی کی مذموم روش میں گمراہ کن صورت پیش کر رہی ہیں۔

بلکہ اس سے آسان لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک طرف کردار سازی اور دوسری طرف کردار سوزی کی بھرپور کوششیں تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو پائیدار نتیجہ خیزی کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ گزرے ہوئے واقعات زمانے کی بے رحم فراموشی کی نظر ہو جایا کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ تاریخ کی زندگی

کا راز واقعات کے حیات بخش پہلوؤں اور حیات جاوداں کا درس دینے والے زندہ اصولوں میں مضمر ہے۔ کچھ واقعات اس لئے بھی جنم لیتے ہیں کہ ان میں زندہ رہنے کے زندہ خطوط معین کئے جاتے ہیں۔ واقعہ کربلا انہی میں سے ایک بلکہ شہہ داستان ہے۔

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کی ایثار آمیز محنتوں کے کردار ساز نتیجے کو آمریت کی شکنجہ گاہ میں تہ تیغ ہوتے دیکھا تو توحید کی پاسداری اور انسانیت کی عظمتوں کے تحفظ کے لئے قیام کیا۔

علیہ فلیتوکل المتوکلون کا آئینہ دار بن کر **کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ** کی عملی تصویر پیش کرنے کا عزم کیا' پاک دل کے اس پاکیزہ عزم سے کاخِ طاغوت کے در و بام لرز اٹھے۔

عصمت اور عشرت کا مقابلہ ہوا۔

استقلال اور استحصال کی ٹکر ہوئی۔

ملوکیت کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہو گیا۔

اور ظلم و استبداد کی دیواریں گرنے لگیں۔

جبر و جور کے چراغ گل ہونے لگے۔

معاویہ کی بدنام زندگی کے آثار یزید کے منحوس وجود میں نمایاں ہو گئے۔ حالات کا رخ بدلنے لگا۔

معصوم افکار کو ملوکانہ اطوار کی قربان گاہ پر لایا جانے لگا۔ دین کے معاملے میں سودے بازی کی رسم دہرائی جانے لگی۔ کچھ دو کچھ لو کی مذموم روایات کو دہرانے کی بھرپور کوششیں شروع ہو گئیں۔

حریت پسندی کے معصوم نظریے کو آمریت کے پاؤں تلے روندا جانے لگا۔

ایسے حالات میں آغوش عصمت کا پروردہ کیونکر خاموش تماشائی بن سکتا تھا۔ چنانچہ حسینؑ بن علیؑ انسانی حقوق کے تحفظ کا پرچم اٹھا کر توحید کی عظمتوں کی پاسداری کے لئے گھر سے نکل پڑے۔ حسینؑ نے کچھ لینے اور کچھ دینے کی جاہلیت نواز رسموں کو امامت کی قوت سے نیست و نابود کر دیا اور اپنے عزم و استقلال کی طاقت سے ملوکانہ بیعت کی مذموم سنت کو نفرت کی وادی میں ڈال دیا۔

حسینؑ نے پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت و کردار کا نمونہ پیش کر کے یزید کی سرکشی و طغیانی کا تخت و تاج قیصر و کسریٰ کی ناکام و بدنام سلطنتوں کے نام کر کے رہتی دنیا تک یزید کا نام داخل دشنام کر دیا۔ حسینؑ بن علیؑ نے شہادت کے پاکیزہ مفہوم کو زندہ کر کے خون کے شمشیر پر غلبہ کے تصور کی عملی تصویر کشی کی۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے بچوں سمیت اپنے قریب ترین اور وفا شعار ساتھیوں کو ساتھ لیا۔ وطن کی محبت پر دین کی حفاظت کو ترجیح

دی۔ اقربا پروری کے قدیم و مذموم رواج کے مقابلے میں حق پرستی اور ایثارگری کے جذبے کی ترویج کی، گھر چھوڑا، وطن کو خیرباد کہا اور دیار نبیؐ کو ترک کر کے دین نبویؐ کی پاسداری کو اختیار کیا۔ مدینہ چھوڑا اور اسلام کی عظمت کے پرچم کو سربلند رکھنے کے لئے ایک نئے مدینہ فاضلہ کی تاسیس کی جس میں توحید و نبوت اور امامت حقہ کی حکم فرمائی اور قرآن و سنت اور سیرت معصومینؑ کی بالادستی قائم ہو۔

حسین علیہ السلام نے کربلا میں اور مدینہ چھوڑنے سے لے کر عصر عاشور تک جو تکالیف برداشت کیں اور مصائب و آلام پر صبر کیا وہ صرف اور صرف اس لئے تھا کہ امامؑ کا مقصد عظیم تھا اور خدا کے دین و شریعت محمدیہؐ کا تحفظ مطلوب و مقصود تھا۔

امامت و عصمت کا امتزاج، ملوکانہ بیعت کے ظاہری حسین آثار کی نفی کر رہا تھا۔

غیر خدا کے سامنے سر جھکانے اور خدا کی راہ میں سر کٹانے کا سوال درپیش تھا۔ امام حسین نے دوسری بات کو اختیار کیا اور ان الفاظ میں دنیا والوں کے سامنے اپنے مضبوط موقف کی وضاحت کرتے ہوئے حریت و آزادی اور سعادت ابدی کا درس دیا:

ان کان دین محمد لم یستقم الا بقتلی فیاسیوف خذینی

یعنی اگر دین محمدیؐ کا تحفظ میرے لہو کی پاکیزہ دھاروں اور تیغ ستم سے میرے ہی قتل ہونے پر موقوف ہے تو اے تلواروں کی تیز دھارو! مجھے اپنے وار کا نشانہ بنانے میں دیر نہ کرو۔ کیونکہ دین کی بقاء ہی انسانیت کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ میرا خون قیامت تک آنے والی نسلوں کو غلامی کی زنجیروں سے نجات عطا کر سکتا ہے۔ تو اس عظیم مقصد کے لئے حسینؑ کی جان حاضر ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے مظلوم و مستضعف انسانوں کو آزاد و آبرو زندگی گزارنے کے ڈھنگ سکھانے کے لئے اپنی ظاہری و پاکیزہ حیات کا ہدیہ دیا اور اس طرح ابدی مقام عظمت حاصل کر لیا۔

جوان بیٹوں، کم سن بچوں اور پردہ دار خواتین کو اپنی شہادت کے گواہ بنا کر تاریخ میں نئے باب کا اضافہ کر دیا۔

شیر دل بھائی عباسؑ کی قربانی دی۔

جواں بیٹے علی اکبرؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑتے دیکھے مگر پیری کے عالم میں عزم جواں باقی رہا۔

معصوم اصغرؑ کے ننھے سے گلے پر تیر پیوست دیکھے مگر اپنے معصوم ارادے میں ذرا بھی تزلزل پیدا نہ ہونے دیا۔

وفاؤں کی دنیا کے تاجدار بھائی کے بازو قلم ہوتے دیکھے لیکن بازوئے امامت میں ضعف و کمزوری کا احساس پیدا نہ ہونے دیا۔

عونؑ و محمدؑ کے چھوٹے چھوٹے بدن تیروں اور نیزوں سے چھلنی ہوتے ہوئے دیکھے مگر ظلم کے سامنے سر جھکانے کی کبھی نہ سوچی۔

اپنے صالح بھائی حسنؑ کی یادگار شہزادہ قاسمؑ کی جواں لاش کے ٹکڑے جمع کرتے وقت احساس ضعف کی بجائے قوت ارادہ میں مزید اضافہ پایا۔

حبیبؑ بن مظاہر کی پیری ان کے جوان ارادے پر غالب نہ آ سکی۔

پیاس کی شدت حقیقت کے پیاسے کو متاثر نہ کر سکی۔ گرمی کی حدت حق کی دلگری کو مغلوب نہ کر سکی۔

اور بالآخر ملوکیت کی طاقت حسینؑ کی قوت کردار اور عزم صمیم پر غلبہ نہ پا سکی۔

امام حسینؑ نے عزت کے ساتھ مر جانے کو ذلت کے ساتھ زندہ رہنے پر ترجیح دی اور شہادت کو اختیار کر کے حقیقی و بقا شعار زندگی حاصل کر لی۔

امامؑ نے دلیری و شہامت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے یزید کی شرارت و شرانگیزی کے منصوبے کو ناکام بنا دیا۔

آغوش عصمت میں پرورش پانے والے حسینؑ بن علیؑ نے آمریت کے پروردہ یزید کو تاریخ بشریت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رسوا کر دیا۔

61ھ کی عصر عاشورا کو "ذبح عظیم" کی عظیم منزل پر فائز ہوئے تو

آسمان سے ہاتف کی صدا گونجی۔

الا قد قتل الحسین بکربلا

الا قد ذبح الحسین بکربلا

ان صداؤں نے خیام اہل بیتؑ میں کہرام ضرور برپا کر دیا اور ہر طرف سے "ہائے حسین" اور "وائے حسین" کی آوازیں آنے لگیں مگر خاندان رسول ﷺ میں احساسات کا اضطراب اور اضطراب کا احساس مقصد شہادت کی تکمیل کے مقدس فریضے پر غالب نہ آ سکا۔ شریکۃ الحسینؑ حضرت زینبؑ جہاں سہمے ہوئے تشنہ لب بے سہارا بچوں اور غمزدہ ماؤں اور دردمند بہنوں کو تسلیاں اور دلاسے دے رہی تھیں وہاں علیؑ کی بیٹی نے شجاعت و شہامت کے وہ عظیم جوہر دکھائے کہ تاریخ بشریت میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ اب تنہا زینبؑ ہی تھیں جو کاروان عزم کی سالار بن کر بڑی سے بڑی مصیبت برداشت کر رہی تھیں۔

زینبؑ نے خیموں سے دھواں اٹھتے دیکھا۔

بیمار کربلاؑ کو درد و غم سے کراہتے دیکھا۔

معصوم بچوں کی چیخیں سنیں۔

کم سن شہزادیوں کے کانوں سے خون بہتے دیکھا۔

امام زین العابدینؑ اور دیگر بی بیوں کے ہاتھوں میں رسیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پڑی دیکھیں۔

اور یہاں تک کہ اپنی اور دوسری مخدرات عصمت اور رسولؐ زادیوں کے سروں سے چادریں اترتی و کھنچتی دیکھیں۔ لیکن علیؑ کی بیٹی نے اپنے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دی اور اپنے عزم میں تزلزل پیدا نہ ہونے دیا۔ اب شہیدوں کے خون کی پاسداری اور ان کے عظیم و پاکیزہ مقصد کی تکمیل کی ذمہ داری زینبؑ کے سپرد تھی جسے بی بیؑ نے پورا کر دکھایا اور اپنے خطبوں سے اسلام کا بول بالا کر دیا۔

اے زینبؑ کبریٰ ترے خطبوں کے ذریعے
شبیرؑ کا پیغام زمانے نے سنا ہے
دیتے ہیں مسلمان جو ہر روز اذانیں
دراصل تیرے درد بھرے دل کی صدا ہے
(غدیری)

اگرچہ اسلام کے دعویداروں نے رسولؐ اسلام کی اولاد پر وہ مظالم ڈھائے کہ جن کی مثال پوری تاریخ میں کہیں نہیں ملتی مگر خاندان رسولؐ نے باطل و ناحق کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح امام حسین علیہ السلام نے اپنے مقدس لہو سے شجر اسلام کی آبیاری اور دین اسلام کا تحفظ کیا اسی طرح حضرت زینبؑ نے اپنی اسیری سے مقصد شہادت کی پاسداری کی۔

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق

یکے حسینؑ رقم کرد و دیگرے زینبؑ

حسینؑ کا پیغام آج بھی دنیا کی حریت پسند اقوام کے لئے درس عمل کی حیثیت رکھتا ہے جس میں کردار سازی کے روشن اصول موجود ہیں۔ کربلا کی کردار ساز تاریخ کا ہر پہلو ہماری زندگی کے سفر میں شمع راہ ہے اور کربلا والوں کے تاریخ ساز کردار کی روشنی قیامت تک آنے والی نسلوں کی ہدایت کے لئے کافی ہے۔

امام حسینؑ نے یزید کی بیعت کیوں نہ کی؟

مطبوعہ

ماہنامہ الحوزہ لاہور

ہفت روزہ صادق لاہور

ہفت روزہ کلمۃ الحق لاہور

امام حسینؑ نے یزید کی بیعت کیوں نہ کی؟

تاریخ کربلا کا مطالعہ کرنے والوں کو عام طور پر اس سوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید بن معاویہ کی بیعت کیوں نہ کی؟

یہ سوال کرنے والے عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کر لیتے اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس کی خلافت و حاکمیت کی حمایت کر دیتے تو یقیناً تاریخ بشریت کا اتنا بڑا حادثہ رونما نہ ہوتا اور دنیائے بشریت ایک خونچکاں واقعہ و سانحہ سے دوچار نہ ہوتی۔

اگر ظاہری حالات کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ حقیقت بین نگاہوں سے کربلا کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو کئی ایک پوشیدہ حقائق کھل کر سامنے

آ جاتے ہیں۔ ہر موضوع کی تحقیق کے لئے اس کے تمام ممکنہ پہلوؤں اور متعلقہ و مربوط جوانب کو مدنظر رکھیں تو تجزیہ و تحقیق کا عمل نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی بنیاد پر واقعہ کربلا کے تمام پہلوؤں پر نظر کی جائے تو یہ حقیقت واضح طور پر معلوم ہو جائے گی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید بن معاویہ کی بیعت کرنے اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس کی خلافت و حاکمیت کی تائید و حمایت کرنے سے کیوں انکار کیا اور اس انکار پر ہر طرح کی مصیبت، تکلیف اور شدائد و آلام کو کیوں برداشت کیا؟

حقیقت یہ ہے کہ:

امام حسین علیہ السلام نے آغوشِ عصمت میں پرورش پائی!

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ شفقت میں عہد طفولیت کے پاکیزہ مرحلے کا آغاز کیا!

وحی الٰہی کی مقدس حقیقتوں کے اسرار کا مشاہدہ کیا!

علیؑ کی شجاعت حسینؑ کی طبع وجود کا حصہ بنی!

فاطمہ زہراؑ کی عصمت شعار دعائیں حسینؑ کی مامتا میں شامل تھیں!

اربابِ کساء کے پانچویں فرد کی حیثیت سے تطہیر کی تکوینی لطافتیں امام حسین علیہ السلام کی سرشت و سرنوشت میں موجود تھیں!

امام حسنؑ کی معصوم سیاست کا صالحانہ کردار حسینؑ کی آنکھوں کا سرمہ تھا۔

حسینؑ نے اپنے گھر میں قرآن کا نزول اپنی عظیم صفات کا مقدس ترجمان بنتے دیکھا!

دوش نبی ﷺ پر سوار ہو کر حسینؑ بن علیؑ نے امامت کی عظمت کا اظہار مدینہ میں بسنے والے مسلمانوں کے سامنے کر دیا تھا!

پیغمبر اسلام ﷺ نے لوگوں کے سامنے حسینؑ کی عظمت کے ہر پہلو کو اپنی مقدس زبان وحی سے بیان کر دیا تھا!

اور حسینؑ بن علیؑ اپنی خاندانی شرافت و بزرگی سے اچھی طرح آگاہ تھے لہٰذا ان خصوصیات کے ساتھ امام حسینؑ یہ سمجھتے تھے کہ اگر میں ایک حسینؑ یزید کی بیعت کر لوں تو یہ نہ صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معصومانہ پرورش اور علیؑ و فاطمہؑ کی زاہدانہ تربیت کی توہین کے مترادف ہو گا بلکہ اس سے تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ کے پاکیزہ مشن کا مقصد اعلیٰ بھی فوت ہو جائے گا اور اولیائے الٰہی کی محنتیں ضائع ہو جائیں گی۔

حسینؑ کا بیعت کر لینا' ابوالبشر آدم علیہ السلام کا ابلیس وقت کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے مترادف تھا۔

امام حسینؑ کا یزید کی بیعت کر لینا درحقیت ابراہیمؑ زمانہ کا نمرود عصر کی دہلیز پر پیشانی رگڑنے کے برابر تھا۔

امام حسینؑ علیہ السلام کا یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس کی خلافت و حاکمیت کی تائید و حمایت کرنا اس طرح تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے فرعون کے ادعاء باطل کی تصدیق کر دی ہو۔

اگر حسینؑ بن علیؑ یزید کی بیعت کر لیتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا راہبان وقت کی باطل نوازیوں سے ٹکر لینا تمسخر کا مورد قرار پاتا۔

اور اگر حسینؑ یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس کی حکومت باطلہ کو تسلیم کر لیتے تو پھر تاریخ اسلام میں پیغمبر اسلام ﷺ کا قیصر و کسریٰ کے جبر و استبداد کے سامنے حق و حقیقت کا اظہار کر کے اس پر استقامت و پائیداری اختیار کر لینا بے مقصد و بے معنی بن جاتا۔

ان حالات میں امام حسین علیہ السلام کی ذمہ داری کی نوعیت کچھ اور ہو چکی تھی۔ اب وہ ایک حسینؑ نہ تھے بلکہ وہ اپنے وجود میں ایک عظیم کائنات بن چکے تھے۔ وہ ایک نہ تھے بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کی ذمہ داریوں کے امین تھے۔

وہ دنیا والوں کو طوفان ضلالت و گمراہی سے نجات دلانے کے لئے سفینہ ہدایت و سعادت بن چکے تھے۔

ان کا کردار نوحؑ کی عظمت کا امین تھا۔ وہ ایک عظیم مقصد کے حصول کے لئے حالات کا مقابلہ کر رہے تھے۔

وہ تلخی روزگار کے سامنے صبر ایوبؑ کی معراج پیش کرنا چاہتے تھے۔

وہ اپنے آپ کو بھی سمجھتے تھے اور یزید کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کے سامنے یزید کا پس منظر بھی تھا اور پیش منظر بھی۔ وہ یزید کے

خاندانی سلسلے سے بھی آگاہ تھے اور اس کے ذاتی کردار سے بھی مطلع تھے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ یزید کی پیدائش عرب کے بدنام ترین خاندان میں ہوئی یعنی ابوسفیان و معاویہ جیسے بدنام زمانہ افراد کی آغوش میں یزید نے آنکھ کھولی اور ان کی فاسقانہ تربیت حاصل کی۔

امام حسینؑ اس حقیقت سے پوری طرح واقف تھے کہ یزید فسق و فجور میں غرق ہو چکا ہے اور ایک آمر مطلق کی پرورش پا کر آمریت کا علمبردار بن کر لوگوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔

عصمت و طہارت کا پروردہ حسینؑ یزید کی بدکرداری کے سامنے خاموش رہنا اپنے مقصد امامت کی تکمیل کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ امام حسین علیہ السلام کا خاموش رہنا اور یزید کے مطالبہ بیعت کو تسلیم کر لینا یزید کی ظالمانہ، آمرانہ اور غاصب حکومت کو اسلامی نظام حیات قرار دینے کے برابر تھا اور لوگوں کی نظروں میں یزید کا ہر فعل مورد تصدیق واقع ہو جاتا۔

حسینؑ بن علیؑ اس بات کو ہرگز برداشت نہ کر سکتے تھے کہ ان کے سامنے احکام الٰہی کا مذاق اڑایا جائے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا جائے۔ شریعت محمدیہؐ کو توڑ مروڑ کر اسے ارباب اقتدار کی مصلحتوں کی بھینٹ چڑھا دیا جائے اور قرآنی آیات کو آمرانہ سلطنت و ملوکیت کی حقانیت کے لئے بنیاد بنایا جائے۔ حسینؑ ان باتوں پر کبھی اور کسی صورت میں سکوت اختیار نہ کر سکتے تھے۔

امام حسینؑ نے اخلاق محمدیؐ کا امین بن کر طاغوت زمانہ کی مادی قوت کو نیست و نابود کرنا تھا اور شجاعت علیؑ کا حامل بن کر آمریت کو جڑ سے اکھاڑنا تھا۔ اس لئے نواسہ رسولؐ نے دین الٰہی اور شریعت محمدیہؐ کے تحفظ کے لئے صریح الفاظ میں یزید سے نفرت اور اس کی بیعت کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنی شخصی حیثیت اور ذاتی و فردی محدودیت سے بالاتر ہو کر اپنی اجتماعی ذمہ داریوں اور تکوینی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یوں فرمایا:

مثلی لا یبایع مثلہ یعنی مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ اس جملے میں امام حسین علیہ السلام نے حقائق کی ایک عظیم تاریخ سمیٹ دی اور اس سوال کا جامع جواب بھی دے دیا جو تاریخ کربلا کا مطالعہ کرنے والوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کیوں نہ کی؟ اور یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان کوئی تقابلی نقطہ اشتراک ہی موجود نہ تھا۔ نہ ہی خاندانی بنیادوں پر اور نہ ہی ذاتی خصوصیات کی روشنی میں! تو گویا امام حسینؑ نے یزید ایسے فاسق و فاجر اور آمر مطلق کی بیعت سے اس لئے انکار کیا تا کہ تخلیق بشر کا مقصد اعلیٰ یعنی حاکمیت خدا اور نظام عدل کا قیام مخدوش نہ ہونے پائے۔ خواہ اس راہ میں امام حسینؑ کو کتنی بڑی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ اسی لئے تو آج تک ہر باضمیر انسان امام حسین علیہ السلام کی سیرت و کردار کو اپنا کر حریت و آزادی کا پرچم دار بنتے ہوئے حسینؑ کی یاد منانا اپنے لئے باعث نجات و سعادت سمجھتا ہے۔

مجاہد اعظم کی فتح

مطبوعہ

ہفت روزہ اسد لاہور

ہفت روزہ شہید لاہور

مجاہد اعظم کی فتح

تخلیق انسان کا بنیادی مقصد فطری عظمتوں کی پاسداری کے ساتھ ساتھ حاکمیت مطلقہ الہیہ کا استقرار اور مخلوق کو خالق کی بندگی کے سوا ہر ایک کی عبدیت و بندگی اور غلامی سے نجات دلا کر ابدی سعادت کی پاکیزہ منزل تک پہنچانا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے پروردگار عالم نے نبوت و رسالت کے مقدس عناوین سے خلافت الہیہ کا سلسلہ قائم کیا اور ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے عالم بشریت کا آغاز کر کے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ، نمائندہ اور حاکمیت مطلقہ کا مظہر بنایا۔

وصایت و ولایت کے مناصب جلیلہ سے پروردگار متعال نے اپنا پیغام

اپنی مخلوق تک پہنچایا اور ہر دور میں نمائندگان الٰہی کے مقابلے میں شیطان نے اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ افراد بشر کو ان نمائندگان کردگار کے راستے میں کھڑا کر کے حاکیت الٰہیہ کو چیلنج کیا۔ مگر خداوند عالم نے ختم نبوت کے بعد امامت جلیلہ کا سلسلہ شروع کر کے تمام انبیاء و مرسلین کی کاوشوں کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے اپنی عظمت و جلال کے مظاہر آئمہ معصومین علیہم السلام کو خاص صفات سے متصف کر کے کائنات پر اپنی حجت کے آخری مرحلے کو بھی پورا کر دیا۔

لیکن زمانے کی تند و تیز ہواؤں اور گردش لیل و نہار نے حالات کی رفتار کو اس طرح اپنے نامطلوب زاویوں سے ہم آہنگ کیا کہ تاریخ انسانیت نے اس کی نظیر نہ دیکھی تھی۔ ایک طرف شیطان کی تمام قوتوں کا مظہر یزید اپنی مادی و غیر انسانی حکومت و اقتدار کے سہارے خلافت الٰہیہ اور حاکیت مطلقہ کے مقابلے میں سنت الٰہیہ کو توڑنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا اور دوسری جانب خالق کی حکمرانی کے استقرار کا مقدس ہدف لے کر رسالت کی عصمت و دیانت کا حقیقی پاسدار حسینؑ اپنی معنوی اقدار کا پرچم اٹھائے ہوئے میدان میں نکلا۔

یزید معاشرتی و سیاسی ذرائع سے حسینؑ پر دباؤ ڈال کر بیعت کا خواہاں ہوا اور وہ چاہتا تھا کہ حق کی حقیقت کو باطل کے غلط روپ میں ڈھال کر تاریخ کے دامن کو داغدار کر دے تاکہ رہتی دنیا تک فطرت سلیمہ کا حقیقی

حسن چھپا رہے اور کائنات انسانی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ظلم و استبداد کا بازار گرم رہے۔ مگر عظمت انسانی کے رازداں حسینؑ نے اپنی معصومانہ بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے راہ جہاد اختیار کی۔

حسینؑ کا جہاد' ظلم و جور کے خلاف' فسق و فجور کے خلاف' استبداد و استعمار کے خلاف' استحصال و استعمار کے خلاف' بے عدالتی و ناانصافی کے خلاف' تبعیض و تزویر کے خلاف' جاہلیت و جہالت کے خلاف' کفر و شرک کے خلاف' غرور و تکبر کے خلاف' جھوٹ و ریا کے خلاف' آمریت و نخوت کے خلاف' یہاں تک کہ ہر برائی کے خلاف تھا۔

امام حسین علیہ السلام نے حاکمیت الٰہیہ کے استقرار کے لئے مادی عیش و عشرت کو ٹھکرا کر ظالم کی حمایت کے مقابلے میں مظلوم بننے کو ترجیح دی۔

حسینؑ کا جہاد اپنی نوعیت میں بے مثال اور مثالی جہاد ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے سنت ابراہیمی کا وہ عظیم نمونہ پیش کیا کہ قیامت تک آنے والے نمرود صفت حاکم طاقت کے زور سے کسی انسان کے استحصال کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

حسینؑ جانتے تھے کہ اگر موجودہ حالات میں جہاد نہ کریں تو یزید اپنی فرعونیت کے سہارے پورے انسانی معاشرے کو تباہ و برباد کر دے گا لہٰذا آپؑ نے جلال کلیمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حاکم وقت کی طاغوتی طاقت کو

چیلنج کر دیا۔

اگر امام حسینؑ افرادی قوت کے لحاظ سے یزید کی کثیر فوج کو چیلنج نہ کرتے تو قرآن مجید کی اس آیت کا مفہوم کسی عملی تصویر کے لئے تشنہ رہ جاتا:

کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة

امام حسینؑ نے اس آیت کی عملی تفسیر پیش کرتے ہوئے قلت و کثرت افراد کو نظر انداز کر کے قوت ایمان اور تائید پروردگار کے سہارے قیام کیا۔ مظلوم کربلا کا قیام ہمیشہ کے لئے ایک معیار اور عملی نمونہ بن گیا کہ افراد کی کثرت کو نہ تو معیار حق سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے مرعوب ہو کر دامن حقیقت کو چھوڑا جا سکتا ہے بلکہ قرآن مجید نے غلبہ اور فتح کا جو حقیقی معیار بتایا ہے اسے اپنا کر بڑی سے بڑی طاقت اور ہر دور کے جابر حکمرانوں کے مقابلے میں فطری عظمتوں کی پاسداری کی جا سکتی ہے۔ خداوند عالم نے قرآن مجید میں کامیابی و کامرانی کا معیار یوں بیان فرمایا ہے:

وانتم الا علون ان كنتم مومنين یعنی اگر تم ایمان پر قائم رہے تو یقیناً تم ہی غالب ہو گے۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے عظیم جہاد سے ستمگر حکمران کے مقابلے میں حاکمیت مطلقہ الہیہ کی ترجمانی کرتے ہوئے قلیل تعداد کے ساتھ

کثیر افراد پر ایسی فتح حاصل کی کہ آج تک ہر انسان اپنے آپ کو آزاد و مستقل بندۂ خالق سمجھتا ہے اور بندۂ مخلوق ہونے کا احساس دل میں نہیں رکھتا بلکہ ہر جابر و آمر حکمران کے سامنے صدائے حق بلند کر کے مجاہد اعظم حضرت امام حسین علیہ السلام کے بتائے ہوئے رہنما اصولوں پر عمل کرنے کے عہد کو دہراتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے جس منفرد انداز میں جہاد کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کاروان حسینؑ بن علیؑ کی افرادی ترتیب اپنی نوعیت میں بے نظیر تھی۔ حبیب بن مظاہر کی پیری سے لے کر ننھے علی اصغرؑ کے معصومانہ تبسم تک اور پھر شہزادہ قاسمؑ کے اٹھتے ہوئے شباب سے لے کر علی اکبرؑ کی بھرپور جوانی تک سب کے سب اپنی مثال آپ تھے۔ خواتین میں شریکۃ الحسینؑ حضرت زینبؑ بنت علیؑ کی شجاعت و شہامت اور استقامت سے لے کر معصوم سکینہؑ بنت الحسینؑ کے مظلومانہ و معصومانہ انداز اظہار حق تک کسی ایک کی مثال تاریخ بشریت میں نہیں ملتی۔ تو جب حسینؑ کا قافلہ اس قدر باوقار و باعظمت ہو تو پھر انہیں "مجاہد اعظم" کے پاکیزہ عنوان کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

مجاہد اعظم کی عظمت ہر اس غیرت مند انسان کے نزدیک مسلم و آشکار ہے جو چشم بینا اور قلب آگاہ رکھتا ہو اور جو حسینؑ کی حقیقت سے آشنا ہو جائے وہ کبھی اور کسی دور میں احساس حقارت کا شکار نہیں ہو سکتا۔

حسینؑ بن علی نے اپنے جہاد سے لوگوں کو درس حریت دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہر حریت پسند انسان حسینؑ سے محبت کرتا ہے اور یہی وہ اہم راز ہے جسے حسینؑ کی ظاہری شکست میں باطنی فتح کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے۔

حسینؑ کا درس حریتِ انسانیت کی عظمتوں کے تحفظ اور آدمیت کی رفعتوں کی پاسداری کا درس ہے۔

فطرت کے لازوال حسن و جمال سے فکر و خیال کی معنوی تزئین کا درس ہے۔

عقیدے کو عمل اور عمل کو عقیدہ سے ہم رنگ و ہم آہنگ کرنے کا درس ہے۔

حسینؑ نے اپنے درس حریت کی عملی تصویر کربلا میں پیش کر کے رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کے لئے سعادت و عظمت کا حصول آسان بنا دیا۔ حسینؑ کے بتائے ہوئے اصولوں اور دکھائے ہوئے راستوں پر چل کر دنیائے انسانیت کی تخلیقی و تکوینی فضیلتوں کے تحفظ کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

واقعہ کربلا کے

اسباب و اہداف

(ایک تاریخی و تحقیقی تجزیہ)

مطبوعہ

روزنامہ جنگ لاہور

واقعہ کربلا کے اسباب واہداف

(ایک تاریخی و تحقیقی تجزیہ)

تاریخ اسلام اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ حضرت پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دین اسلام کی پاکیزہ تعلیمات اور سعادت بخش نظام حیات کی تبلیغ و اجراء اور نفاذ کے لئے کس قدر مشکلات اور دشوار گزار حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ حکومت و اقتدار اور مال و دولت کے نشہ میں مست اقوام و قبائل نے محسن انسانیت ﷺ کے مقدس مشن کا راستہ روکنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔ جنگیں لڑیں' اقتصادی پابندیاں عائد کیں' سیاسی قوت استعمال کی' اجتماعی و معاشرتی بائیکاٹ کئے' مال و دولت کی پیشکشیں کیں' قبائلی اثر و رسوخ سے استفادہ کرنے کی کوشش کی اور بالآخر ہر طرف سے مایوسی و شکست کا شکار ہو کر صلح و مصالحت کی

بھیک مانگی لیکن جب ان کی ہر کوشش و سازش ناکام ہو گئی تو آنحضرت ﷺ کے چچا اور دنیائے عرب کی مشہور و معروف شخصیت جناب ابو طالبؑ کے ذریعہ اپنی آخری کوشش کرنے پر مجبور ہوئے مگر خدا کے آخری نبی ﷺ نے یہ کہہ کر ان کی تمام سازشوں' حیلوں' نیرنگیوں اور مکاریوں کو ناکام بنا دیا کہ

"اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند رکھ دیا جائے اور مشرق و مغرب کا اقتدار میرے سپرد کر دیا جائے تب بھی توحید کے مشن اور انسانیت کی فلاح و صلاح کی اس پاکیزہ دعوت سے ہرگز دستبردار نہ ہوں گا"

حضرت پیغمبر اسلام ﷺ کے اس واضح اور صریح بیان کے بعد کافروں اور مشرکوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور انہوں نے عملی طور پر اپنی شکست تسلیم کر لی چنانچہ کچھ لوگ اسلام کی عظمت و شوکت اور صداقت و حقانیت سے آگاہ ہو کر اور کچھ لوگ اپنے کمزور اعتقادات اور بے ثبات نظریات کی ناکامی و تنگ دامنی اور اسلام کی بالادستی کے سبب خوفزدہ ہو کر اور کچھ لوگ نور حقیقت کی وسعتوں کے پیش نظر اپنی مادی زندگی کی آسائشوں کے حصول کے لئے دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ پہلے طبقہ کے افراد کو جو علم و آگہی اور بصیرت و معرفت کے ساتھ اسلام لائے ان کی عملی

زندگی ان کی فطری پختگی کی دلیل بن گئی چنانچہ وہ ہر مرحلہ میں ثابت قدم رہے اور معاشرتی زندگی کے دشوار گزار ترین مراحل میں بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ انہی کے متعلق قرآن مجید میں یوں ذکر ہوا:

محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا" سجدا" یبتغون فضلا" من الله و رضوانا" سیماهم فی وجوههم من اثر السجود ذلک مثلهم فی التوراة ومثلهم فی الانجیل کزرع اخرج شطئه فازره فاستغلظ فاستوٰی علی سوقه یعجب الزراع لیغیظ بهم الکفار وعد الله الذین آمنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة و اجرا" عظیما"

(ترجمہ) محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی ایسے ہیں کہ کافروں پر بہت سخت اور آپس میں نہایت رحمدل ہیں۔ آپ انہیں دیکھیں وہ خدا کے حضور رکوع و سجود میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ اپنے اعمال کے ذریعے خدا کی خوشنودی و رضا اور اس کی عنایات کے طلبگار رہتے ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشانات نمایاں ہیں جو

ان کی پہچان کرواتے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف توراۃ
میں بھی ہیں اور انجیل میں بھی مذکور ہیں۔ ان کی مثال
ایک کھیتی کی ہے کہ جس نے پہلے اپنے خوشے نکالے
پھر انہیں مضبوط کیا اور وہ مضبوط و مستحکم ہو گئے اور اپنی
جڑ پر سیدھے کھڑے ہوئے اور اس قدر مضبوط و مستحکم
اور تر و تازہ ہو گئے کہ دہقانوں کو خوش کر دیا۔ اور وہ
(پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھی) اس لئے اس مقام و
منزلت کے حامل بنے تا کہ ان کے ذریعے خداوند عالم
کافروں کے دل جلائے۔ خدا نے اہل ایمان اور ان میں
سے عمل صالح بجا لانے والوں سے بخشش اور اجر عظیم
کا وعدہ کیا ہے۔

(سورہ فتح 29)

یہ تھا پہلے طبقہ کے افراد کے بارے میں قرآنی بیان کا ایک نمونہ :
اس کے علاوہ دوسرے اور تیسرے طبقہ کے افراد کہ جو خوف یا لالچ
کی وجہ سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ان کے بارے میں خداوند عالم
نے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا :

**واذا راؤا تجارة او لهوا" انفضوا اليها و
تركوك قائما" قل ما عند الله خير من اللهو**

ومن التجارة والله خير الرازقين

(ترجمہ) اور جب وہ کوئی تجارت یا لغو و فضول کام دیکھتے ہیں تو اے رسول آپ کو اکیلا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور ان کاموں کی طرف رخ کر لیتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ لہو و لعب اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور خدا بہترین رزق عطا کرنے والا ہے۔

(سورۂ جمعہ 11)

ایسے افراد جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اس طرح عمل کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی مقدس تعلیمات کی ہرگز کوئی پرواہ نہ کرتے تھے انہوں نے اسلام کی جڑیں کمزور کرنے اور اپنی باطنی اسلام دشمنی کے سبب ملت اسلامیہ کے خلاف سازشوں کا بازار گرم کر دیا اور گوناگوں انداز میں اسلام کے بنیادی اصولوں کے مقابلہ میں خود ساختہ نظام وضع کرنے لگے اور ان کی سازشوں اور اسلام دشمن کاروائیوں میں اس وقت شدت آئی جب خورشید حقیقت محسن انسانیت حبیب خدا پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا انتقال ہوا۔

حضرت پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد امت اسلامیہ جن مسائل و مشکلات سے دوچار ہوئی ان کی انتہاء اس صورت میں ہوئی کہ

یزید جیسے فاسق و فاجر اور اسلام کی مقدس تعلیمات کا کھلم کھلا مذاق اڑانے والے نے نواسہ رسولؐ جگر گوشہ علیؑ و بتولؑ حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت کا مطالبہ کر دیا تو ظاہر ہے کہ ایسا ہونا قطعی ممکن نہ تھا کہ رسول اسلام ﷺ کی آغوش میں پرورش پانے والے حسینؑ بن علیؑ آمریت کے دلدادہ یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس کے ناجائز اعمال کی تصدیق کر دیں اور اس کی حمایت کر کے اس کے غاصبانہ اقتدار کی جڑیں مضبوط کریں۔ تاہم یزید اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھا کہ اگر امام حسین علیہ السلام بیعت نہ کریں تو ساری دنیا کا بیعت کر لینا کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا لہٰذا اس نے ہر ممکن ذریعہ اختیار کیا جس سے امام حسینؑ کو بیعت کرنے پر مجبور کر سکے لیکن آغوش عصمت کے پروردہ حسینؑ نے کسی صورت میں ایسا کرنے کی حامی نہ بھری بلکہ اس کے مطالبہ بیعت کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف صدائے احتجاج اور پرچم جہاد بلند کیا۔ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے مضبوط ارادے اور ٹھوس موقف کا اظہار امیر معاویہ کے نام اپنے ایک خط میں بھی نہایت صاف الفاظ میں کیا اور یوں فرمایا:

"آپ اپنے فاسق و فاجر بیٹے کے لئے کہ جو اپنی بدکرداریوں، شراب و کباب کی محفلیں گرم کرنے اور رقص و سرور میں انہماک کے باعث لوگوں میں مشہور ہو چکا ہے امت اسلامیہ سے بیعت طلب نہ کریں کیونکہ

اس طرح سے لوگ اسلام کے بارے میں بدظن ہو جائیں گے"۔

امام حسینؑ کے برحق موقف و غیر متزلزل نظریہ کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آپؑ نے اسی طرزِ عمل کو اپنایا جو حضرت پیغمبر اسلام ﷺ نے توحید کی تبلیغ اور اشاعت اسلام کے ابتدائی دور میں اپنایا تھا چنانچہ نواسہ رسول ﷺ نے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہوئے ہر طرح کی قربانی دینے کی ٹھان لی اور میدان جہاد میں کود پڑے۔ امام حسینؑ کا جہاد اسلام کی سربلندی، قرآنی تعلیمات کے فروغ اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کے تحفظ و پاسداری کے لئے تھا یہی وجہ ہے کہ امامؑ نے بیعت سے انکار کے وقت فرمایا تھا کہ:

"اسلام کا تحفظ ہمارا منصبی فریضہ ہے جسے ہم کسی صورت میں نظرانداز نہیں کر سکتے۔ حریت و آزادی کے پرچم کو سربلند رکھنے کے لئے میں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی قربان کر دوں گا"

تاریخ شاہد ہے کہ امامؑ نے اپنے ساتھیوں اور اہل بیتؑ کے افراد کو ساتھ لے کر 28 رجب 60 ہجری کو مدینہ منورہ سے کوچ فرمایا اور خدا کی راہ میں ہجرت کے عمل کو انجام دیتے ہوئے ماہ شعبان کے پہلے ہفتہ میں مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور 9 ذی الحجۃ الحرام تک بیت اللہ کے سایہ میں رہے۔ جب دنیا کے گوشہ گوشہ سے حجاج کرام فریضہ حج ادا کرنے کے لئے خانہ کعبہ پہنچے اور امام کو خبر ہوئی کہ یزید کے تنخواہ دار قاتل بھی اس موقعہ

سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مکہ پہنچ چکے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ خانہ خدا کی حرمت کو پامال کرتے ہوئے حج کے موقع پر حسینؑ بن علیؑ کو قتل کر دیں تو امامؑ نے مکہ کی حرمت اور ملت اسلامیہ کی اجتماعی عزت و عظمت کی پاسداری کے لئے حج کو عمرہ میں تبدیل کر دیا اور عازم سفر ہو گئے۔

اس مقام پر یہ امر قابل غور ہے کہ اگر امام حسین علیہ السلام مکہ مکرمہ ہی میں قیام پذیر رہتے اور وہاں سے یزید کے خلاف صدائے جہاد بلند کر کے دنیا بھر میں کلمہ توحید کی پاسداری کے لئے وفود و خطوط بھیجتے تو ایسا کرنا ان کے لئے ممکن تھا لیکن آپؑ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ آپؑ کو معلوم تھا کہ یزید اس صورت میں کرائے کے قاتلوں کے ذریعے اور فوج کے دستے بھیج کر مکہ مکرمہ کا محاصرہ کرنے اور خانہ خدا کو منہدم کر کے اہل مکہ کا قتل عام کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ امامؑ کو خانہ خدا اور اہل اسلام کی جان و مال کی پاسداری مقصود تھی اس لئے امامؑ نے اس عظیم مقصد کے لئے اپنی جان قربان کرنے کو ترجیح دی اور خانہ خدا اور اہل مکہ کی جانوں کو بچا لیا۔

تاریخ کی مشہور و مستند کتب طبری اور کامل ابن اثیر میں مذکور ہے کہ جب عبداللہ ابن زبیر نے امام حسین علیہ السلام کو یہ تجویز دی کہ آپؑ مسجد الحرام میں تشریف فرما رہیں اور ہم آپ کے لئے جانباز ساتھی اور جاں نثار سپاہی جمع کرتے ہیں۔ تو امامؑ نے ان کی اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے

فرمایا:

"اس صورت میں خدا کے گھر کی حرمت پامال ہو جائے
گی اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے ایسا ہو
کیونکہ یزید مجھے قتل کرنے کے لئے خانہ کعبہ کو منہدم
کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا"

تاریخ کے ان زندہ شواہد کی روشنی میں واقعہ کربلا کے اسباب و اہداف سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے پس منظر میں حکومت و اقتدار کے حصول کی خواہش کارفرما نہ تھی بلکہ اسلام اور انسانیت کی مقدس تعلیمات و پاکیزہ اقدار کے تحفظ کا مسئلہ تھا جس کے لئے حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے مختصر کاروان جہاد کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ اور پھر عراق کی طرف ہجرت کی اور اعلائے کلمہ حق کے لئے اپنی پاکیزہ جان سمیت متعدد جوانوں کی قربانی دی۔ اگر امام حسین علیہ السلام ایسا نہ کرتے تو یزید اسلام کے بنیادی اصولوں کو مسخ کر کے خود ساختہ و آمریت نواز نظام نافذ کر دیتا جس کے نتیجے میں کلمہ توحید کا نام و نشان اور حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انسان ساز تعلیمات کے آثار تک ختم ہو جاتے۔ امام حسینؑ کے عظیم جہاد اور بے مثال قربانی کے بارے میں شاعر مشرق علامہ اقبال نے فرمایا ہے:

آن امام عاشقان پور بتولؑ — سرو آزادی ز بستان رسولؐ
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت — سطر عنوان نجات ما نوشت
بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است — پس بنائے لا الہ گر دیدہ است
زندہ حق از قوت شبیریؑ است — باطل آخر داغ حسرت میری است

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے نام وصیت نامہ میں لکھا کہ:

"میں خود خواہی یا عیش و عشرت کے لئے گھر سے نہیں نکلا ہوں اور نہ ہی کسی پر ظلم و زیادتی کرنا میرا مقصد ہے۔ میں تو اپنے جدامجد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امت کی اصلاح کے لئے میدان جہاد میں آیا ہوں اور میں صرف اور صرف یہ چاہتا ہوں کہ لوگوں کو امربالمعروف اور نہی عن المنکر کروں اور انہیں ہر اچھے کام کے کرنے اور ہر برے کام سے دور رہنے کی راہ پر لاؤں"

تاریخ طبری اور تاریخ کامل میں ہے کہ مکہ مکرمہ سے کربلا تک کے راستے میں متعدد مقامات پر امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں سے خطاب کیا اور انہیں اپنے قیام و جہاد کے مقاصد و اسباب سے آگاہی دلائی چنانچہ ایک مقام پر آپ نے یوں ارشاد فرمایا

"اے لوگو! حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے حکمران کو دیکھے جو لوگوں پر ظلم و ستم کر رہا ہو اور معاشرے میں گناہ و معصیت کا بازار گرم کئے ہوئے ہو اس پر لازم ہے کہ اس حاکم کے مقابلے میں قیام کرے اور جو شخص یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود نہ تو صدائے احتجاج بلند کرے اور نہ میدان جہاد میں نکلے تو خدا ایسے شخص کو اس ظالم و جابر حکمران کے نہایت برے انجام سے دوچار کرے گا اور جہنم میں ڈال دے گا۔ یاد رکھو کہ ہمارے مخالفین نے خدا کی اطاعت کا دامن چھوڑ کر شیطان کی پیروی کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور معاشرے میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ انہوں نے خدا کے احکام کو پامال کر دیا ہے اور شریعت الہیہ کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا ہے۔ خدا کے حلال کئے ہوئے کاموں کو حرام اور حرام کئے ہوئے کاموں کو حلال کر کے دین الہی کو مسخ کر دیا ہے لہٰذا اس صورتحال میں خاموش تماشائی بن کر رہنا ممکن نہیں اور خدا کے مقدس دین اور شریعت نبویؐ کے تحفظ کے لئے ہم ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں اور یہ ایسے پاکیزہ و بلند پایہ مقاصد ہیں جن

کو نظر انداز کرنا کسی صورت میں ممکن نہیں اور نہ ہی
ان پر کسی طرح سے کسی چیز کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔
اسی طرح عاشور کے دن امام حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد کی
فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا:

الا ان الدعی وابن الدعی قد رکزنا بین الاثنین بین السلة والذلة وهيهات منا الذلة يابى الله تعالى ذلك لنا و رسوله والمومنون و حجور طابت وطهرت وانوف حمية من ان نوثر طاعة اللئام على مصارع الكرام

یاد رکھو کہ ایک بد طینت شخص نے ہمیں
دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے ایک طرف قتل کیا جانا' موت
ہے اور دوسری طرف ذلت کے ساتھ زندہ رہنا ہے لیکن
ہم کبھی ذلت کی زندگی اختیار نہیں کر سکتے۔ ہمیں تو
خدائے متعال' پیغمبر اسلام ﷺ اہل ایمان' پاک و
پاکیزہ کردار کی حامل شخصیات اور غیرتمند ہستیوں نے اس
بات کی ہرگز اجازت نہیں دی کہ ہم بدکردار اور
معاشرے کے گھٹیا ترین افراد کی ہر بات پر سر تسلیم خم
کرنے کو عزت کے ساتھ درجہ شہادت پانے پر ترجیح

دیں۔ ہم عزت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتے ہیں اور دنیا
بھر کے لوگوں کو ذلت کی زندگی کے مقابلے میں عزت کی
موت قبول کرنے کا درس دینا چاہتے ہیں"

تاریخ کے مطالعہ سے اس بات سے آگاہی ہوتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے آخری لمحوں تک یزید کے فوجیوں پر اتمام حجت کرنے کا فریضہ ادا کیا اور انہیں حضرت پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دین کو مسخ کرنے اور اہل بیتؑ کے مقدس خون سے ہاتھ رنگین کرنے سے روکا۔ لیکن ان لوگوں نے یزید کی طرف سے عیش و عشرت کی زندگی کے دلفریب وعدوں کی روشنی میں نواسہ رسولؐ کی نصیحتوں کی پرواہ نہ کی اور بے گناہ افراد کے قتل ایسے گھناؤنے و ناقابل معافی جرم کے مرتکب ہو گئے۔ مگر حقیقت بین نگاہوں میں آج بھی ان مجرموں سے نفرت اور شہدائے کربلا سے محبت کی روشنی پائی جاتی ہے۔ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی واقعہ کربلا کی یاد میں ہر زندہ ضمیر انسان اشکبار نظر آتا ہے۔

کربلا کا خونین واقعہ 61 ہجری کو رونما ہوا مگر اب تک اس کے پس منظر میں چھپی ہوئی صدائے حق و حقیقت ایوان بشریت میں گونج رہی ہے اور اس کے دامن میں پوشیدہ جذبہ جہاد ہر غیرتمند آدمی کی رگ و جاں میں جواں ہے۔

ظلم سے نفرت اور مظلوم سے محبت کا احساس واقعہ کربلا ہی کے

آثار میں سے ایک ہے۔

حریت و آزادی کا حصول ہر ذی شعور انسان کی فطری تمنا ہے اور اس فطری جذبے کو روح بقا عطا کرنے میں کربلا کے شہیدوں کا بنیادی کردار ہے۔

ہمارا سلام ہو کربلا کے مظلوم شہیدوں پر کہ جنہوں نے اپنے مقدس خون سے تاریخ حریت لکھی اور جن کی بے مثال قربانی نے اسلام کی پاکیزہ و سعادت بخش تعلیمات کو تحفظ بخشا۔

ہمارا سلام ہو امام حسینؑ پر کہ جنہوں نے کربلا کے کاروان عزم و جہاد کی قیادت کی اور عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دینے کا عملی درس دیا۔

کربلا درسگاہ حقیقت

مطبوعہ

ماہنامہ خواجگان لاہور

ماہنامہ الحوزہ لاہور

ہفت روزہ صادق لاہور

کربلا
درسگاہ حقیقت

عام طور پر تاریخی واقعات کا تجزیہ و تحقیق کرنے والے ارباب فکر و دانش کربلا کے خونیں واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اسے دنیائے بشریت میں مظلومیت کی درد انگیز اور الم آمیز داستان کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اگر کچھ زیادہ اظہار خیال کریں تو مظلوموں کے صبر و شکیبائی پر داد تحسین دیتا ہی حق پسندی کی واحد علامت سمجھ کر اسے اپنا لیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مظلومیت اور صبر واقعہ کربلا کے دو اہم پہلو ضرور ہیں۔ لیکن اس کا ہدف، مقصد اور ماحصل و مقصود ہرگز نہیں۔

کربلا کا پر درد واقعہ جہاں اپنے دامن میں آہوں، سسکیوں کو لئے ہوئے ہے وہاں حق پرستی اور حقیقت پسندی کا عملی درس بھی دیتا ہے۔

کربلا صرف مظلومیت کا نام نہیں بلکہ ایک ایسی عظیم درسگاہ حقیقت ہے جس میں انسانیت کے پاکیزہ معیاروں کے تحفظ اور آدمیت کے مقدس اصولوں کی پاسداری کی تعلیم دی گئی ہے اور کاروان بشریت میں شامل ہر فرد سے یہ کہا گیا ہے کہ فطرت کے لازوال حسن کے تحفظ کی راہ میں ہر قسم کے شدائد و مصائب کو برداشت کرنا اور مشکل ترین حالات میں صبر و شکیبائی کا دامن تھامے رہنا ہی حقیقی کامیابی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں جو عظیم خطبے دیئے وہ اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ نواسہ رسولؐ نے ایک نہایت بلند اور مقدس مقصد کے حصول کے لئے مظلومیت کو آمریت کی زنجیروں میں جکڑے جانے پر ترجیح دی اور اپنے بے مثل صبر کے ذریعے حقیقت پرستی اور حق شعاری کی ایسی پاکیزہ مثال پیش کر دی جو رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ اور معیار عمل ہے۔

واقعہ کربلا کے حقیقت پسند تجزیہ نگار اور منصف مزاج ارباب تاریخ اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ظاہری جاہ و جلال اور دنیاوی امن و سکون کو حقیقی و معنوی عزت و وقار اور روحانی و اخروی اطمینان و سعادت ابدی پر قربان کر دیا۔ نواسہ رسولؐ ہونے کے ناطے انہیں معاشرے میں ایک خاص مقام و منزلت حاصل تھی اور اہل اسلام و کلمہ گویان زمانہ کے درمیان نہایت عزت و احترام کی نگاہوں سے

دیکھے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؑ کی ذاتی و شخصی عظمت اور سیرت و کردار کی بلندی اور بنی ہاشم کی خاندانی رفعت بھی آپ کے تشخص و امتیاز کے لئے کم نہ تھی۔ گویا دنیاوی طور پر آپؑ کو کسی رتبے و مقام اور منصب کی کوئی احتیاج نہ تھی لیکن جب آپؑ نے دیکھا کہ حق کو باطل کا لباس پہنایا جا رہا ہے اور اسلام کی حقیقی تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش پورے زوروں پر ہے اور یہ سب کچھ ان لوگوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے جو اپنے آپ کو مسلمانوں کے حاکم اور سلطنت اسلامیہ کا امیر کہلواتے ہیں تو امام وقت ہونے کے حوالے سے نواسہ رسولؐ کی بنیادی ذمہ داری بھی تھی کہ غاصب حاکم کے سامنے صدائے احتجاج اور علم حق بلند کریں اور اہل زمانہ کو اپنی عصمت شعار روش کے ذریعے حق کی حقیقی راہ دکھائیں۔ چنانچہ آپؑ نے اپنی پاکیزہ ذمہ داری اور خاندانی روایات کی پاسداری کے طور پر غاصب و ستمگر حاکم کی ہر قسم کی پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے اپنا اسلامی و انسانی فریضہ پورا کرنے کی ٹھان لی اور بھرپور عزم و ارادے کے ساتھ میدان عمل میں نکل آئے۔

امام علیہ السلام اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ حق و حقیقت کے دفاع اور معیار عظمت و اصول انسانیت کی حفاظت کے لئے انہیں نہایت کٹھن اور دشوار مراحل سے گزرنا ہو گا اور راحت و آرام کو بھول کر مشکلات و مصائب برداشت کرنے ہوں گے۔ لیکن ان تمام باتوں کو جاننے

کے باوجود امامؑ نے اپنے مقصد کی بلندی کے پیش نظر میدان عمل میں اترنے کا اصولی فیصلہ کر لیا اور شاید ایسا کرنا امام علیہ السلام کے لئے ناگزیر بھی تھا کیونکہ آپ ایک عظیم انسان ساز درسگاہ کی بنیاد رکھنے والے تھے۔ ایسی درسگاہ کہ جس میں کائنات انسانی کو مقصد تخلیق سے آگاہ کرنا تھا۔ ایسی درسگاہ کہ جس میں دنیائے بشریت کو مقصود فطرت سے آگاہ کرنا تھا ایسی درسگاہ کہ جس میں لوگوں کو درس حقیقت دے کر آئین حریت عطا کرنا تھا۔ اس لئے نواسہ رسولؐ نے کربلا کا انتخاب کیا۔ کربلا کی سرزمین اس عظیم مقصد کے لئے نہایت موزوں ثابت ہوئی۔ امام علیہ السلام کی معصوم نگاہ انتخاب نے ابن آدم کی تقدیر بدل دی۔

کربلا، ظلم کے خلاف، آمریت کے خلاف، ناانصافی کے خلاف اور باطل کے خلاف جہاد اور عملی کاوش کا دوسرا نام ہے۔

کربلا اپنی نوعیت میں منفرد و بے مثل حیثیت کی حامل ہے۔ وہ

ظلم کے خلاف ہے مگر مظلومیت کے روپ میں!

آمریت کے خلاف ہے مگر آدمیت کے سائے میں!

ناانصافی کے خلاف ہے مگر عدل کے سہارے پر!

اور باطل کے خلاف ہے مگر حق کی طاقت سے!

کربلا درحقیقت، شجاعت، شہامت، استقامت اور صبر و پائیداری کی درسگاہ ہے۔

حریت و آزادی کی جو شمع صحرائے کربلا میں روشن کی گئی اس کی روشنی سے ایوان بشریت منور ہو گیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں اپنے مقدس خون سے شجر اسلام کی آبیاری کی۔

تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ ارباب اقتدار نے طاقت کے بل بوتے پر اسلام کی حقیقی صورت پر پردہ ڈال دیا تھا۔ معاویہ نے ملوکیت کی بنیاد رکھ کر اسلام کے تقدس کو پامال کر دیا تھا۔ وہ اسلام جسے "دین کامل" ہونے کا شرف حاصل ہے معاویہ کی ناپاک سازشوں کا شکار ہونے لگا۔ چنانچہ اس نے اپنی شیطانی سیاست کے ذریعے حق کو باطل اور حقیقت کو مجاز کا رنگ دینے کی ہر ممکن کوشش کی مگر امام حسین علیہ السلام نے اس کے عزائم خاک میں ملا دیئے اور لوگوں کو ذلت و گمراہی کے گہرے کنویں میں گرنے سے بچا لیا۔

تاریخ کبھی اس تلخ حقیقت کو نہیں بھول سکتی کہ جب معاویہ نے امامت کو ملوکیت میں بدلنا چاہا تو اپنے فاسق و فاجر بیٹے کے استحقاق کو ثابت کرنے کے لئے اس کی بیجا مدح سرائی شروع کر دی تاکہ لوگ اس کی برائیوں کو بھول کر اسے ایک اچھا اور نیک و صالح انسان سمجھیں تاکہ اس کی حکمرانی صحیح معنوں میں ثابت ہو جائے اور جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کی اس مکارانہ چال سے آگاہی حاصل کی تو اسے مخاطب

ہو کر فرمایا:

یا معاویہ قد فہمت ما ذکرتہ من یزید من اکتمالہ و سیاستہ لامۃ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تریدان توھم الناس فی یزیدؑ کانک تصف محجوبا اور تنعت غائبا او تخبر عما کان مما احتویتہ بعلم خاص۔ وقد دل یزید من نفسہ علی موقع رایہ فخذ لیزید فیما اخذ فیہ من استقرائہ الکلاب المھارشۃ عند التھارش والحمام السبق لا ترابھن والقیان ذوات المعازف وضروب الملاھی تجدہ باصرا ودع عنک ما تحاول۔۔۔۔"

اے معاویہ! تو نے یزید کے متعلق جن کملات اور امت محمدیہؐ کی سیاسی رہنمائی کی صلاحیتوں کا جو تذکرہ کیا ہے وہ میں سن چکا ہوں اور اس کے پس پردہ تیرے عزائم سے باخبر ہوں۔ تو یزید کے متعلق لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے گویا کہ تو کسی انجان شخصیت کا تعارف کروا رہا ہے یا کسی ایسے شخص کی تعریف کر رہا ہے جو لوگوں کے سامنے موجود نہیں۔ یا تو یہ بتانا چاہتا ہے کہ جس کے متعلق میں توصیفی کلمات کہہ رہا ہوں اس کے بارے میں مجھے ہی خاص طور پر علم ہے۔ حالانکہ یزید نے اپنے مکروہ چہرے سے نقاب الٹ دی ہے اور وہ لوگوں کے سامنے اپنی حقیقت کو واضح کر چکا ہے لہذا بہتر ہے کہ تو یزید کے بارے میں لوگوں کو وہی کچھ بتا جو کہ وہ ہے۔

اس کے کتوں کے پالنے کی علوت اور درندہ صفت کتوں کو آپس میں لڑانے کے مشغلے کو بیان کر۔ اس کی کبوتر بازی اور فضا میں کبوتروں کے مقابلوں سے لطف اندوز ہونے کی بات کر۔ اس کی ہوسرانی اور عیاشی کو بیان کر کہ جو وہ لونڈیوں کو رقص و سرور پر اکسا کر انجام دیتا ہے اور اس کی ان ساز و آواز کی رنگین محفلوں کے قصے سنا جن میں سرمست رہتا ہے۔ اس کی ان باتوں کو بیان کر تا کہ اس کی حقیقت مزید واضح ہو سکے اور جو کچھ تو نے سوچ رکھا ہے اس سے دستبردار ہو جا۔

امام حسین علیہ السلام نے نہایت جرات مندی کے ساتھ معاویہ کی مذموم سازش کو ناکام بنانے کے لئے یزید کے مکروہ چہرے کو بے نقاب کیا تا کہ اسلامی اقدار کی پامالی کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکے اور یہ سب کچھ صرف اس لئے تھا کہ امام حسین علیہ السلام ایک ایسی عظیم درسگاہ قائم کرنا چاہتے تھے جس میں اسلام کی سچی تصویر پیش کی جائے اس لئے باطل اور باطل نواز قوتوں کی پہچان کروانا ضروری تھا۔

اور یہ امر کسی وضاحت کا محتاج نہیں کہ اگر حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کے مطالبہ بیعت کو تسلیم کر لیتے تو یہ صرف حسینؑ بن علیؑ کا فردی عمل نہ ہوتا بلکہ حق کا باطل کے سامنے اور اسلام کا کفر و شرک و نفاق کے سامنے سر جھکا دینا ہوتا۔ کیونکہ امام حسین علیہ السلام انبیاء الٰہی کے مقدس مشن کی حفاظت کے ذمہ دار اور حق و حقیقت کی پاکیزہ قدروں

کے پاسدار تھے اس لئے آپؑ کو اپنے بلند مقصد کے حصول کے لئے ہر طرح کی مشکلات کو برداشت کرنا ناگزیر تھا۔ تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ امام علیہ السلام کے مقدس مشن کو صرف مظلومیت کے حوالے سے دیکھا جائے بلکہ مظلومیت کے سائے میں آمریت کے خلاف جہاد کرنا امام علیہ السلام کے اعلیٰ ترین مقاصد میں شامل تھا۔ آج اگر انقلاب کربلا پر قلم اٹھانے والے اس کے حقیقی مقصد سے دور ہو کر اظہار خیال کریں تو یہ ان کی غلطی اور غلط فہمی ہو گی جس کا نتیجہ کربلا کی حقیقت کے ادراک نہ کرپانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

کربلا ایک میدان جنگ نہیں بلکہ درسگاہ حقیقت ہے۔ مدرسہ ایثار و حریت ہے، دانش گاہ فکر و عمل ہے، یہی وجہ ہے کہ روز عاشور کاروان حسینؑ کا ہر فرد دوسرے ساتھی پر سبقت لینے کے لئے بے چین نظر آتا تھا تاکہ نواسہ رسولؐ کے عظیم و بلند ترین مقصد کے حصول کے لئے اپنے جذبہ جہاد کا عملی ثبوت پیش کر سکے۔ یہی پہلو انقلاب کربلا کی عظمت کی روشن دلیل ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تاریخ کربلا کو صرف مظلومیت کے آئینے میں نہ دیکھا جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے مقدس مشن اور پاکیزہ ہدف و مقصد اعلیٰ کو ملحوظ رکھا جائے تاکہ اس دردانگیز و الم آمیز واقعہ کی حقیقت اور پس منظر و پیش منظر واضح طور پر معلوم ہونے کے بعد صحیح نتیجہ حاصل ہو سکے۔

تفسیر الحمد للہ رب العالمین

بروایت حضرت امام حسین علیہ السلام

مطبوعہ

ماہنامہ الغدیر لاہور

تفسیر الحمد اللہ رب العالمین

براویت حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے تفسیر "الحمد للہ رب العالمین" کی بابت اپنے پدر بزرگوار امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے روایت کی کہ ایک شخص نے امامؑ سے پوچھا کہ "الحمد للہ رب العالمین" کی تفسیر کیا ہے؟ تو آپؑ نے ارشاد فرمایا۔

"الحمد للہ" دراصل خداوند عالم کی طرف سے اپنے بندوں کو اپنی نعمتوں سے آگاہی دلانے اور ان کی طرف متوجہ ہو کر حمد و ثنائے الٰہی بجالانے کا ذریعہ ہے۔ خدا نے اس سے اپنے بندوں کو اپنی نعمتوں کا اجمالی تعارف کروایا ہے اور اپنی بعض نعمتوں سے آگاہی دلائی ہے کیونکہ لوگ خدا کی تمام نعمتوں سے تفصیلی طور پر آگاہ ہونے کی قدرت و توانائی نہیں رکھتے اور خدا کی

عظیم نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا احصاء و شمار ہی نہیں ان سے آگاہی بھی بندوں کے لئے مقدور نہیں لہٰذا اس صورت حال میں خدا نے اپنی مخلوق کو اجمالی معرفت پر اکتفا کرتے ہوئے یہ الفاظ ورد زبان کرنے کا حکم دیا اور گویا ان سے کہا کہ تم میری نعمتوں کو جس مقدار میں بھی پہچانتے ہو ان کی طرف ملتفت ہو کر کہو **"الحمد للہ علی ما انعم علینا رب العالمین"** کہ حمد ہے اللہ کے لئے ان نعمتوں پر جو اس نے ہم پر کی ہیں وہ عالمین کا پروردگار ہے (عالمین کے پروردگار نے ہم پر جو نعمتیں نازل فرمائی ہیں ان پر اس معبود کی حمد ہے)

"عالمین" سے مراد وہ مخلوق ہے یعنی ہر وہ چیز جسے خدا نے خلق فرمایا خواہ اس کا تعلق جمادات سے ہو یا حیوانات سے۔ جہاں تک حیوانات کا تعلق ہے تو خدا ان کے امور کو اپنی قدرت کاملہ کے ذریعے چلاتا ہے۔ انھیں اپنے خزانہ سے رزق و طعام عطا کرتا ہے۔ اپنی عنایت کے سائے میں ان کی حفاظت کرتا ہے اور ان کے لئے جس چیز میں مصلحت و بہتری ہو اس کے مطابق ان کی تدبیر امور کرتا ہے اور جہاں تک جمادات کا تعلق ہے تو وہ اپنی قدرت کے ساتھ ٹھہرائے رکھتا ہے اور ان میں سے متصل الاجزاء چیز کو پارہ پارہ ہونے سے بچاتا ہے اور متفرق الاجزاء چیز کے اجزاء کو ایک دوسرے میں ضم ہو جانے سے روکے رکھتا ہے اور وہ آسمان کو اپنے اذن کے بغیر زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے اور وہ زمین کو اپنے اذن کے بغیر دھنس جانے

سے روکے رکھتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ مہربان اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔

"رب العالمین" سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کا مالک ہے ان کا خالق و آفریدگار ہے اور ان تک ان کی روزی پہنچانے والا ہے (روزی رساں ہے) اور اس طرح سے انہیں رزق عطا کرتا ہے کہ وہ اس کے ذریعہ ہمارا سے آگاہ و ناآگاہ اس سے استفادہ کرتے رہتے ہیں کیونکہ رزق کی مقدار قسمت میں لکھی جا چکی ہے لہٰذا ابن آدم دنیا کے جس خطہ میں بھی جائے اسے اس کا رزق مل جاتا ہے خدا کے مقدار کئے ہوئے رزق کو نہ تو کسی کا تقویٰ و پرہیزگاری زیادہ کر سکتی ہے اور نہ ہی کسی کا فسق و بدکاری گناہ سمندر کی جھاگ کے مانند ہی کیوں نہ ہوں۔

پھر جب خداوند عالم نے حضرت پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آنحضرتؐ سے کہا۔ **وما کنت بجانب الطور اذ نادینا** (سورۂ قصص 46) تو اس وقت موجود نہ تھا جب ہم نے کوہ طور کے پہلو میں اسے ندا دی کہ تیری (محمدؐ کی) امت کو یہ شرف و اعزاز عطا ہوا ہے۔

اس کے بعد خداوند عالم نے آنحضرت سے ارشاد فرمایا۔ کہو۔ **الحمد اللہ رب العالمین علی ما اختصصتنی بہ من ھذہ الفضیلۃ** حمد ہے اللہ کے لئے جو عالمین کا پروردگار ہے اس پر کہ اس نے مجھے یہ فضیلت عطا فرمائی اور اس اعزاز سے نوازا۔

اور پھر خداوند عالم نے امت محمدؐ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم بھی کہو۔

الحمد لله رب العالمين على ما اختصصتنا به من هذه الفضائل

حمد ہے اللہ کے لئے جو رب العالمین ہے اس پر کہ جو (اے خدا) تو نے ہمیں اعزاز بخشا اور فضیلتوں سے نوازا۔

آیت **الحمد لله رب العالمين** کی یہ تفسیر جس کی روایت حضرت امام حسین علیہ السلام نے کی ہے حضرت محمد و اہل بیت اطہار علیہم السلام اور آپ کے شیعوں و پیروکاروں کی فضیلتوں و عظمتوں کے بیان پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس حقیقت سے آگاہی دلاتی ہے کہ خداوندعالم نے جو نعمتیں اپنے خاص بندوں پر کی ہیں ان پر شکرگزاری کا عمل جہاں زبان سے ضروری ہے وہاں عملی طور پر بھی لازم ہے۔ ہر نعمت کا شکر اس کے مطابق اور اس سے موزوں و مناسب صورت میں ہونا چاہئے اور ہمیں امت محمدؐ اور پیروان اہل بیت علیہم السلام ہونے کا جو اعزاز حاصل ہوا ہے اس نعمت کا شکر ان ہستیوں کے ارشادات و فرامین اور احکام و دستورات پر عمل کرنے کی صورت میں ادا کی جا سکتا ہے اور اس کا واضح نمونہ امام حسین علیہ السلام کے باوفا انصار ہیں کہ جنہوں نے صحرائے کربلا میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے اطاعت الٰہی اور اتباع اہل بیتؑ کا فریضہ پورا کر کے رہتی دنیا تک اپنا نام روشن کر لیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے۔

روح عزاداری

خواب غفلت سے بیداری

مطبوعہ

ماہنامہ الغدیر لاہور

روح عزاداری

(خواب غفلت سے بیداری)

ماہ محرم الحرام حضرت امام حسینؑ کی مظلومانہ شہادت کے حوالے سے اسلام بلکہ انسانیت کی تاریخ میں مخصوص پہچان رکھتا ہے۔ چنانچہ مجالس عزاداری کے ذریعے شہدائے کربلا کو جس انداز میں خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے وہ بھی اپنی خصوصیت میں منفرد ہے۔ دنیا میں آج تک کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی جس کی یاد میں ہر سال بلکہ سال بھر جوش عقیدت کے ساتھ عزاداری کی جاتی ہو سوائے امام حسینؑ کے، گوشہ گوشہ میں مجالس روز و غم منعقد ہوتی ہیں' سینہ کوبی' شمشیر زنی اور آگ پر ماتم ہوتا ہے انہیں دیکھ کر دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس طاقت نے ان لوگوں کو ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے؟ اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ یہ سب کچھ مظلوم سے محبت

اور مظلومیت کی حمایت کا فطری جذبہ ہے جس نے امام حسینؑ کے حوالہ سے پوری انسانیت کو اپنی طرف متوجہ کیا ہوا ہے۔

عزاداری بہت بڑی عبادت ہے اور یقیناً عظیم اجر و ثواب کا ذریعہ و وسیلہ شفاعت و نجات ہے لیکن محرم الحرام کے بعد صفر کا جو مہینہ آتا ہے اس میں چہلم امام حسینؑ و شہدائے کربلا کے حوالے سے عزاداری کی اصل روح کے حصول کو پیغام ملتا ہے۔ یہ پیغام دو شخصیتوں کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے۔ ایک بیمار کربلا امام زین العابدینؑ اور دوسری علیؑ کی شیر دل بیٹی حضرت زینبؑ!

عزاداری کی روح در حقیقت خواب غفلت سے بیداری میں پوشیدہ ہے۔ عزاداری بیداری کا درس دیتی ہے یہ درس امام زین العابدینؑ نے دربار یزید میں اور حضرت زینبؑ نے کوفہ و شام کے بازاروں میں دیا۔ اس میں خدا کے دین پر عمل کرنے' نبیؐ کی شریعت کی پیروی' اہل بیتؑ کی اطاعت و فرمانبرداری اور مقصد شہادت کے تحفظ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کون نہیں جانتا کہ امام حسینؑ کیوں شہید ہوئے؟ لیکن اس "کیوں" کے جواب کی پاسداری ہی اصل میں روح عزاداری ہے اور ماہ صفر ہمیں اسی پاسداری کے فریضہ کی یاد دلاتا ہے۔ حسینؑ کے پیغامات پر عمل کرنے والا سچا عزادار ہے اور ماتم و اشک ریزی تو اس فطری جذبہ کو عملی جامہ پہنانے کی صورتیں ہیں جو ہر "انسان" اور اہل دل کے وجود میں پایا جاتا ہے اور وہ افراد خوش قسمت

ہیں جنہیں اس جذبہ کی حرمت کا پاس بھی ہے اور اس کی تکمیل کی توفیق بھی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بات ہرگز فراموش نہیں کی جاسکتی کہ یہ اشک ریزیاں ہمیں دعوت عمل دیتی ہیں ان کی افادیت کا راز احکام خداوندی پر عمل کرنے میں پوشیدہ ہے غم حسینؑ میں اشک ریزی بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریزی کا درس دیتی ہے سب کچھ قربان کر کے خدا کو راضی کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے' طہارت نفس اور پاکیزگی روح کی تعلیم دیتی ہے' صنف۔ نازک کو عفت و پاکدامی کی راہ دکھاتی ہے اور مظلوم کی حمایت اور ظالم سے نفرت کا سلیقہ دیتی ہے۔ اگر یہ سب کچھ فکری و عملی طور پر ہو تو عزاداری کی روح زندہ ہے اور ہر لمحہ و ہر پل عزاداری ہی عزاداری اصل زندگی کہلائے گی اور رسم و رواج کی قید سے باہر آ کر عبادت و کسب کمالات کا عنوان ہے جو کہ ہر عزادار کا مقصود و مطلوب ہے۔ مظلوم کربلا کا اپنے عزاداروں کے نام یہی پیغام ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں بندوں کے بجائے خدا کی رضا کو بنیاد قرار دیں۔ سچا عزادار وہ ہے جو خالق بندۂ پروردگار ہو اور اپنے خالق کی اطاعت سے ہرگز غفلت نہ کرے۔ عزاداری کی روح خواب غفلت سے بیداری میں پوشیدہ ہے اور ہاں خواب غفلت سے بیدار ہونا صحیح معنی میں عزاداری ہے۔

موجودہ دور میں اہل عزا کو اپنی ذمہ داریوں کے حوالہ سے بیدار رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ دنیا کی مادی طاقتیں اس سلسلہ عبادت کو ختم کرنے میں کوشاں ہیں لیکن دنیا بھر کے کلمہ گو اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں کہ ہماری

جا اسلام کی مقدس تعلیمات پر عمل کرنے اور شعائر اللہ کی پاسداری میں مضمر ہے جس کا عہد ہم عالم ذر میں کر چکے ہیں اور اب اس عہد کو عملی جامہ پہنانے کا وقت ہے کہ اگر ہم اب بیدار نہ ہوئے تو قیامت کے دن معصومینؑ کی شفاعت کا استحقاق ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

مجالس عزا

(فضیلت' اہمیت' ضرورت واصلاح)

مطبوعہ

ماہنامہ الغدیر لاہور

مجالس عزا

(فضیلت ' اہمیت' ضرورت و اصلاح)

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا کی یاد میں عزاداری و سوگواری کی مجالس نہایت فضیلت کی حامل ہیں۔ ان کا انعقاد موجب اجر و ثواب ہے کیونکہ حضرت پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا۔ **من بکی علی الحسین او ابکی او تباکی وجبت له الجنة** جو شخص حسینؑ پر روئے' رلائے یا اظہار گریہ کرے اس پر بہشت واجب ہو جاتی ہے۔ اس فرمان کی روشنی میں عزاداری جنت کا استحقاق پیدا کرنے والا عمل ہے۔

مجالس عزا کی فضیلت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ یہ سنت نبویؐ ہے

خود آنحضرتؐ چونکہ آئندہ کے حالات سے باخبر تھے اور اکثر شہادت امام حسینؑ کا تذکرہ کر کے گریہ فرماتے تھے آپؐ اور آپؐ کے اہل بیتؑ و اصحاب کا ذکر حسینؑ کر کے اظہار غم کرنا ہمارے لئے نمونہ عمل ہے۔ "سنت" کی تعریف میں یہی کہا گیا ہے کہ جو کچھ آنحضرتؐ نے فرمایا' کیا' یا آپؐ کے سامنے کسی نے کچھ کیا اور آپؐ اس پر خاموش رہے (کوئی اعتراض نہ کیا) تو وہ "سنت" کہلاتا ہے یعنی قول' فعل اور عملی تصدیق کو "سنت" سے تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا آنحضرتؐ نے امام حسینؑ پر گریہ کرنے اور عزاداری کی افادیت و اہمیت کا قولی اظہار بھی فرمایا۔ عملی طور پر بھی خود گریہ کناں ہوئے اور فعلی طور پر اس کی تصدیق بھی کی بنابرایں تینوں صورتوں میں عزاداری آنحضرتؐ کی سنت کہلاتی ہے۔ اس سنت پر عمل کر کے ہمارے دیگر معصوم پیشواؤں نے اس کی فضیلت کو مسلم الثبوت بنا دیا چنانچہ کتب تاریخ میں موجود ہے کہ ہر دور امامت میں عزاداری ہوئی اور ہر امامؑ نے عزاداری کی مجالس منعقد کیں حضرت امام زین العابدینؑ کی مجالس کا تذکرہ عام طور پر کیا جاتا ہے کہ امامؑ زندگی بھر گریہ کناں رہے اور میدان کربلا میں ہونے والے چشم دید واقعات کو یاد کر کے روتے تھے۔ اسی طرح دیگر آئمہ اطہار علیہ السلام نے بھی اس سنت نبویؐ کی پیروی اور اس کا احیاء کیا۔ اس لحاظ سے عزاداری کی مجالس کی فضیلت کسی بیان و وضاحت کی محتاج نہیں رہتی۔

جہاں تک مجالس عزا کی اہمیت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں کئی امور

قابل ذکر ہیں۔

1- ان میں قرآن مجید کی تلاوت و قرات ہوتی ہے جو کہ ایک نہایت عظیم و بابرکت عمل ہے اور اس کا اجر و ثواب کلمہ گو سے پوشیدہ نہیں۔

2- ان میں تفسیر قرآن بیان کی جاتی ہے آیات کے معانی و مفاہیم کی وضاحت و تشریح اور ان کی بابت تفسیر کے حوالہ سے احادیث و روایات اور معصومینؑ کے فرامین کی روشنی میں اہم مطالب اخذ و پیش کئے جاتے ہیں تاکہ قرآن مجید جو کہ بنی نوع بشر کے لئے کتاب ہدایت ہے اس میں موجود خزانہ ہائے علوم الٰہی و معارف ربانی اور احکام معلوم اور مورد استفادہ قرار پائیں۔

3- حضرت پیغمبر اسلامؐ اور آئمہ اہل بیتؑ کی بیان کردہ احادیث اور ان معصوم ہستیوں سے منسوب روایات ذکر کی جاتی ہیں جن میں اصول و فروع دین کی بابت ہدایات دی گئی ہیں اور یہ نہایت اہم حوالہ ہے کیونکہ دین اسلام کے اصل مصادر تو معصومینؑ ہی ہیں کہ جن کے ذریعہ اسلام کی اصل حقیقت اور خدا کے فرامین و تعلیمات سے آگاہی ممکن ہے۔ اگر ان کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے اسلامی حقائق حاصل کئے جائیں تو ان کی بابت یقین و اطمینان پیدا نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ شک و گمان ہی کی صورت رہتی ہے۔

4- سابقہ انبیاءؑ و پیغمبران خدا کے حالات و واقعات اور ان کی تاریخ بیان کی جاتی ہے جس میں ہمارے لئے درس ہدایت ہوتا ہے کیونکہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے حوالہ سے جب ہم امت محمدیہؐ کا تقابلی جائزہ

لیں گے تو ہمیں ہدایت و نصیحت کی راہیں مل جائیں گی اور گذشتہ نبیوں اور رسولوں کا تذکرہ بذات خود ایک نہایت مستحسن عمل ہے۔

5- سابقہ انبیاءؑ کی طرح سابقہ کتب آسمانی اور صحیفہ ہائے ربانی کے تذکرے ہوتے ہیں اور ان میں توحید و یکتا پرستی اور دیگر معارف و علوم اور حقائق ایسے کی بابت مذکور مطالب پر بحث کی جاتی ہے جس سے ہدایت و رہنمائی کے زریں اصول معلوم ہوتے ہیں۔

6- احکام دین اور فقہی دستورات کا ذکر ہوتا ہے جس میں طہارت سے لے کر قصاص و دیت اور میراث کے احکام شامل ہیں۔

7- اخلاقی و معاشرتی قوانین و ضوابط زیر بحث آتے ہیں اور ان کی بابت شرعی احکام کا تذکرہ ہوتا ہے جو کہ کسی معاشرے کی اصلاح و صلاح کے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر معاشرے میں اخلاقی قدریں احترام کی نگاہ سے دیکھی جائیں تو افراد معاشرہ کے حقوق کا تحفظ یقینی ہو جاتا ہے۔

8- اہل ایمان کے درمیان باہمی تعلق کے برادرانہ روابط کو تقویت ملتی ہے ایک دوسرے سے میل ملاپ اور تعلق و روابط کے حوالہ سے ایمانی اصولوں کی روشنی میں گفتگو اور عملی قرارداد ہوتی ہیں جن سے مومنین روحانی و فکری غذا پاتے ہیں۔

9- علم و عمل کی ترغیب کا درس ملتا ہے اور عقیدہ کی پختگی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

10- جذبہ ایثار و قربانی کی یاد تازہ ہوتی ہے اور حق کی خاطر سب کچھ قربان کر دینے کے اصول ملتے ہیں۔

11- جہاد اور ظلم و استبداد کے خلاف قیام کرنے کا احساس زندہ ہوتا ہے۔

12- آزادی و استقلال کے حصول کے لئے شہیدوں کے نقش قدم پر چل کر کامیابی کے حصول کی امید ہو جاتی ہے۔

13- کربلا والوں سے تجدید عہد کا سامان ہو جاتا ہے اور ان کے مقصد جہاد کی عظمت آشکار ہوتی ہے۔

14- امام حریت حسینؑ ابن علیؑ اور آئمہ معصومینؑ کی شخصیات، فضائل و کمالات ذات عظمتوں اور منصبی ذمہ داریوں سے آگاہی ہوتی ہے جن کے ہر پہلو میں ہمارے لئے درس ہدایت ہے۔ ان کی حیات طیبہ کے مقدس گوشوں سے سعادت کے جن اصولوں کا استفادہ کیا جاتا ہے وہ رضائے الٰہی کے حصول کی ضمانت دیتے ہیں۔

15- اہل بیتؑ پر ہونے والے مظالم ذکر کئے جاتے ہیں جن سے ان کی اعلائے کلمہ حق کی خاطر قربانیوں اور مظلومیت سے آگاہی ہوتی ہے اور ارباب اقتدار، بنی امیہ کے خلفاء و آمر سلطانوں کی بربریت و دہشت گردی بے نقاب ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں ظلم و ظالم سے نفرت اور مظلوم سے محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

16- طہارت دل و پاکیزگی روح کے اسباب فراہم ہوتے ہیں جو کہ ذکر حسینؑ کا اصل مقصد ہے۔

یہ اور دیگر اسباب کے پیش نظر مجالس عزا کی اہمیت مسلم و یقینی ہو جاتی ہے اور ہر اہل ایمان و صاحب دل کو عزت و آزادی کے اسلامی اصولوں کے سایہ میں زندگی بسر کرنے کی راہ مل جاتی ہے جو کہ مجالس عزاء کی اہمیت کا سب سے بڑا حوالہ ہے۔

تیسری بات مجالس عزا کی ضرورت سے متعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عزاداری ایک انسانی ضرورت ہے کیونکہ مظلوم اور مظلومیت سے اظہار محبت کا واحد ذریعہ عزاداری ہے۔ عزاداری کو شہ رگ حیات کہنا اس لئے بیجا اور مبنی بر مبالغہ نہیں کہ اس سے انسانی حیات کے مختلف زاویوں میں تابندگی آتی ہے۔ زندگی کے پائیدار اسالیب کا سراغ ملتا ہے اور عزت کے ساتھ زندگی گزارنے کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ عزاداری کی مجالس اعتقاد کی پختگی کے عمل کو یقینی بناتی ہیں۔

مجالس عزا کا انفرادی فائدہ فکری و عملی تربیت اور تزکیہ نفس ہے اور اجتماعی و معاشرتی نتیجہ باہمی ربط و اخوت اور سیاسی استحکام و انسجام ہے۔ مجالس عزا اجتماعی عبادت کی حیثیت رکھتی ہیں جن میں شریک ہر فرد اپنے باطنی جذبات و احساسات کا اظہار مجموعی طور پر کرتا ہے اور محبت و عقیدت کے پاکیزہ و فطری جذبوں کو روحانی غذا فراہم کرتا ہے۔ یہ مجالس در حقیقت انسانیت

کے اعلیٰ مراتب و اقدار کے تکمیلی طرزِ عمل کا حصہ ہیں۔

مجالس عزا کی فضیلت و اہمیت اور ضرورت کے بیان کے بعد ان کی موجودہ صورت و کیفیت میں اصلاحی ضرورت کے حوالہ سے چند مطالب قابلِ توجہ ہیں۔

1- مجالس عزا چونکہ عبادت کا درجہ رکھتی ہیں اور عبادت خلوصِ نیت پر مبنی ہونے کی بناء پر قابل قبول ہوتی ہے لہٰذا ان کے انعقاد میں ارادہ و نیت کی پاکیزگی بنیادی شرط ہے۔

2- اس اجتماعی عبادت میں جہاں جسمانی پاکیزگی ضروری ہے وہاں روحانی، قلبی و فکری طہارت اس کی اساسی شرط ہے کیونکہ اس کا تعلق فطرت کی پاکیزہ قدروں کے عملی احترام سے ہوتا ہے اس لئے اس کی ادائیگی و انجام دہی میں شریک ہر فرد ظاہر و باطن اور دل و جان سے پاکیزگی و طہارت کا حامل ہونا چاہئے۔

3- مجالس عزاداری میں مادی مقصد ملحوظ نہیں ہوتا ان کی معنوی حیثیت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان میں شریک افراد ہر طرح کے ریا و دکھاوے سے دور نہایت پاک دل کے ساتھ ان کا انعقاد کریں۔

4- ان مجالس کا بنیادی مقصد رضائے الٰہی، خوشنودی معصومینؑ اور حمایت مظلومین کے سوا کچھ نہیں لہٰذا ان کے انعقاد میں کسی دوسرے امر کو شریک مقصد ہرگز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ان مقاصد کے علاوہ دوسرے کسی

بھی مقصد و مقصود سے تزکیہ نفس و تطہیر فکر و قلب کی ضمانت نہیں مل سکتی۔

5- ان مجالس میں بیان کئے جانے والے مطالب اپنے صحیح مصادر و مدارک سے اخذ کر کے پیش ہونے چاہئیں کیونکہ واقعات میں اضافات تاریخ کی اصل صورت بگاڑ دینے کا سبب بنتے ہیں اور اصل واقعہ کے مسلمہ حقائق کے مسخ ہونے کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ واقعہ کربلا میں مظلومیت کے بے شمار حوالے موجود ہیں جن کا تذکرہ دلوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اگر ان مظلومیت کو موزوں انداز میں بیان کیا جائے تو آنکھیں اشکوں کے سیلاب بہا دیتی ہیں۔

6- مجالس عزاداری میں خطیب و ذاکر اس اجتماعی عبادت کی امامت کرتا ہے لہٰذا اسے اعتقادی و اخلاقی قدروں کا پاکیزہ ترجمان ہونا چاہئے اس کی زبان تذکرۂ معصومینؑ کی امین ہوتی ہے اس کا عمل کردار آئمہؑ کا عکاس ہوتا ہے اور اس کا بیان حقائق کی تصویر کشی کا ضامن ہوتا ہے لہٰذا اسے ان تمام اوصاف و مقدس صفات کی رحمت کی پاسداری کا پورا پورا حق ادا کرنا چاہئے اس کے ظاہری اور باطنی اعمال و افکار سے کردار معصومینؑ کی پاکیزہ خوشبو آنی چاہئے تاکہ اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اپنی وجودی اثر آفرینی کے ساتھ ساتھ پائیدار نقوش قائم کر سکیں۔ اجتماعی عبادت کی امامت کرانے والے کو صدق شعار، امانت دار اور پختہ کردار کا حامل ہونا چاہئے ضروری ہے اس کی بات دلوں کی عمیق گہرائیوں تک پہنچی ہے اور اس کی تاثیر فکر و عمل کی دنیا

میں انقلاب بپا کر دیتی ہے بلکہ روحانی اعتبار سے ایسے گہرے آثار مرتب ہوتے ہیں کہ واقعہ کربلا کے مقاصد کی تکمیل کا سامان ہو جاتا ہے لہٰذا خطیب و ذاکر کو کسی بھی مادی و فانی و ناچیز مقصد کو مد نظر نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ اجتماعی عبادت پر دنیا بھر کی ثروت بھی خرچ کر دی جائے تب بھی اس کے اجر و صلہ کا عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس عبادت میں معیار ملحوظ ہوتا ہے مقدار نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تفسیر مطالب میں قیاس و رائے کی دخل اندازی بھی ہرگز روا نہیں۔

7- مجالس عزاداری کا دورانیہ کسی بھی واجب عمل سے متصادم نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ان کا انعقاد درحقیقت واجبات الٰہیہ کے تحفظ کے لئے ہے اور کسی واجب مثلاً" نماز' روزہ وغیرہ کا اس اجتماعی عبادت سے تقابل بیجا ہے ان میں لازم و ملزوم کا رشتہ پایا جاتا ہے نہ کہ اصول و فروع کا مفروضہ تزاحمی تعلق اور حقیقت یہ ہے کہ اصول و فروع کے درمیان بھی لزوم کا ربط موجود ہے ہر فروع اپنی اصل سے وابستہ اور ہر اصل اپنی فروع کا وجودی سبب ہوتا ہے جبکہ واجبات اور عزاداری کے درمیان اس سے بالاتر تعلق پایا جاتا ہے جسے روح و قلب' جان و دل' کے رشتہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے' بنا بر ایں' مجالس سوگواری میں ادائے واجبات کے اصل مقام کا بہر طور خیال و لحاظ ضروری ہے۔ ان میں سے کوئی عبادت دوسری عبادت کے احترام میں کمی کا موجب نہیں ہونی چاہئے۔

8- اظہار عزا میں لباس و ظاہری صورت بھی اسی طرح گویائے احساسات ہو جس طرح قلب و باطن جذبہ محبت و عقیدت سے سرشار و معمور ہوتے ہیں ورنہ عبادت کا اخلاص مخدوش ہو کر رہ جائے گا اور عبادت کا تقدس مجروح ہو گا۔

9- عزاداری دراصل قلبی و روحانی عقیدت و مودت کے اظہار سے عبارت ہے اس لئے اسے حقیقی مقصد کے حصول کا یقینی ذریعہ سمجھنا چاہئے اس میں شک و گمان کو ہرگز راہ نہیں ملنی چاہئے۔

10- عزاداری کے انداز و اطوار کی بنیاد لہو و لعب اور غیر الٰہی طرز عمل سے منزہ و پاک ہونی چاہئے۔ جس طرح خطیب و ذاکر کے لئے ضروری ہے کہ انداز اظہار مطالب میں کسی غیر پاکیزہ کیفیت کی آمیزش نہ آنے دے اسی طرح رثائی کلام اور نوحہ و سلام میں طرز بیان کے شرعی ضوابط کی پابندی اہم ترین فرائض میں شامل ہے لہٰذا خطیب و ذاکر اور نوحہ خوان کو عزائی انداز میں کسی نامقدس و ناروا صورت اظہار کو ہرگز نہیں اپنانا چاہئے کیونکہ ایسا کرنا عزاداری کی روح کے منافی ہے اور جن ہستیوں سے اس اجتماعی عبادت کی نسبت ہے ان کے طرز زندگی و تعلیمات میں کسی ناپاک پہلو کا نام و نشان تک نہیں ملتا' نہ تو انہوں نے خود کوئی ایسا عمل کیا جس سے شریعت کے کسی حکم کی نفی کا پہلو نکلتا ہو اور نہ ہی ان کے بتائے ہوئے اصولوں میں پاکیزگی قلب و روح کی اہمیت و ضرورت میں کمی کا کوئی جواز دکھائی دیتا ہے اس لئے ،

ضروری ہے کہ ان کی یاد میں ہونے والے عزائی عمل میں بھی طہارت کے مستحکم ضابطوں کی عملی پاسداری کا ثبوت دیا جائے۔

11- مجالس عزا میں اظہار عقیدہ کے مثبت طرز عمل کو اپناتے ہوئے مکتب اہل بیتؑ کی صحیح ترجمانی کی جائے اور مخالف نقطہ ہائے نظر و مکاتب فکر پر بحث میں منفی انداز اظہار و اسلوب سخن سے قطعاً" اجتناب کیا جائے کیونکہ جو بات مثبت طرز انداز اظہار کے ذریعے کی جائے اس کی تاثیر منفی انداز بیان کی نسبت کہیں زیادہ اور دیرپا ہوتی ہے۔

12- عزاداری کی مجالس کا تقدس اس بات کا متقاضی ہے کہ ان میں شریک تمام افراد اپنی اپنی صنف کے حوالہ سے مقصد عزا کی تکمیل میں تعلیمات اسلام اور دستورات معصومینؑ پر عمل کریں خواتین و حضرات اور نوجوان سب اپنے اپنے فرائض کو پورا کر کے سیرت و کردار آئمہ اطہار علیہم السلام کا عملی امتثال پیش کریں۔ اس سلسلے میں خواتین حضرت فاطمہؑ و حضرت زینبؑ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پردہ داری کا عملی مظاہرہ کر کے "مستور" کی حقیقی حیثیت و روحانی عظمت کو واضح کریں اور عزائی لباس و سوگوارانہ صورت میں مجالس عزا میں شریک ہوں "محفل میلاد" اور "مجالس عزا" میں معنوی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر ایک عبادت میں اس کے موزوں و مناسب اطوار اپنا کر اس کے تقاضوں کی تکمیل کریں۔ مرد حضرات حضرت امام حسینؑ اور امام زین العابدینؑ کے طرز عمل کو اپنا کر مجالس عزا میں اپنی ذمہ داریوں کو

پورا کریں اور نوجوان حضرت علی اکبرؑ کے جذبہ عمل و عظمت کردار کی تقلید کرتے ہوئے اطاعت الٰہی کو اپنا شعار قرار دیں اور ادائے بندگی پروردگار میں اخلاص و یقین کے عملی مظاہرے پیش کریں۔

13- مجالس عزا کا اہتمام کرنے والے نہایت قابل قدر و لائق دعا اور شائستہ و تحسین حضرات مومنین خطیب و ذاکر کے انتخاب اور مقام و وقت کا تعین احسن طریقہ و مستحسن انداز میں کرتے ہوئے تمام تر شرعی اصولوں اور اس اجتماعی عبادت کے شایان شان افراد و اوقات اور مقامات میں اس کی ادائیگی کا فیصلہ کریں تاکہ اس سے حاصل ہونے والی الٰہی برکات سے ان کے دامن مراد بھر جائیں اور ان مجالس میں حاضر ہونے والے ہر فرد کے حصہ میں آنے والے اجر و ثواب میں ان کا حصہ محفوظ رہے کیونکہ انہی خوش نصیب افراد کی بدولت دوسروں کو اس اجتماعی عبادت کی انجام دہی کا موقعہ ملتا ہے تاہم یہ اعزاز بانیان مجالس کے لئے مقدس خدمت کی توفیق کے حصول کے حوالہ سے نہایت بلند ہے اس پر جس قدر ادائے شکر کیا جائے کم ہے اہتمام عزا کی توفیق ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے خلوص دل و پاکیزہ فکر اور طہارت عمل کی ضرورت ہے اس لئے اس کی عظمت کے پیش نظر اس اعزاز کے حصول پر عقیدت و کردار کی صحت و پختگی کے تحفظ کا فریضہ مزید تاکید کا حامل ہو جاتا ہے۔

14- مجالس عزاداری میں خرچ ہونے والے اموال حقوق اللہ اور

حقوق العباد کی ادائیگی کے بعد تصرف میں لانے سے اجتماعی عبادت کی قبولیت یقینی ہوتی ہے اور ان کے صلہ میں اصحاب اموال جن وسعتوں کا استحقاق پاتے ہیں ان کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا لہٰذا اس سلسلے میں استطاعت کے مطابق جس قدر خرچ کیا جائے اسے اپنے زاد راہ آخرت کا ضامن ہی نہیں بلکہ حیات دنیوی میں سکون و قرار کا سبب و موجب بھی سمجھنا چاہئے اور اس میں مقدار کی بجائے معیار ملحوظ رہنا چاہئے کیونکہ قبولیت کی بنیاد تقویٰ اور اخلاص کے سوا کچھ نہیں۔ خدا کیفیتوں پر نظر کرتا ہے کمیتوں پر نہیں۔ مظلوموں کے غم یاد کر کے آنسو بہانا کس قدر عظیم عمل ہے کہ اس کے انجام دینے والے حو حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام کی دعاؤں اور شفاعت کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے۔ خداوند عالم ان مجالس کے مہتمم' خطیب و ذاکر' سوز خوان و نوحہ خواں اور ان میں شریک ہونے والے تمام افراد کی اس اجتماعی عبادت کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

ادارے کی دیگر کتب

ادارہ منہاج الصالحین لاہور